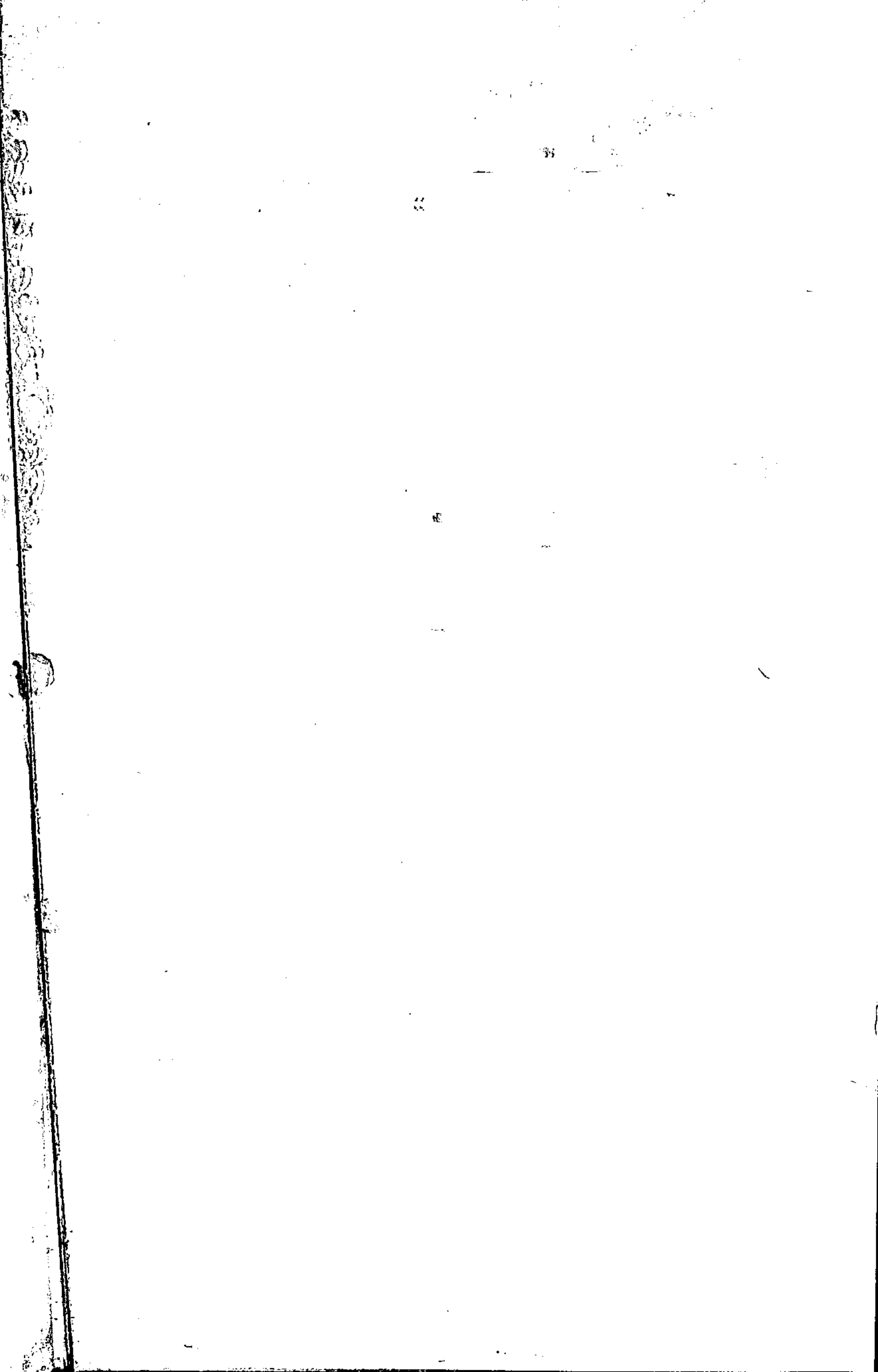


حسین بن منصور حلاج کے نظریات کی تشریح اور دوسرے
اہم مقالات پر مشتمل ظفر علی خان کی اہم کتاب

حسین بن منصور حلاج

اور دوسرے اہم مقالات

ظفر علی خان



حسین بن منصور حلاج کے نظریات کی تشریح اور

دوسرے اہم مقالات پر مشتمل ظفر علی خان کی اہم کتاب

حسین بن منصور حلاج

اور دوسرے اہم مقالات

مصنف

ظفر علی خان

بیسٹی بک پوائنٹ

نوید اسکوار اردو بازار کراچی

2762483

بازوق لوگوں کے لیے خوبصورت اور معیاری کتاب



بیاد
HASAN DIN

۲۹۷۶۹۱

۵۱۲

۷۳۵۶۷
۵

حسین بن منصور حلاج

ظفر علی خان

۲۰۰۶ء

۵۰۰

۱۲۰ روپے

کتاب

مصنف

سال اشاعت

تعداد

قیمت



۲۱-۵۲-۰۱

فہرست

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
4	کفر و ایمان کا جھگڑا	۱
20	سلسلہ ادبیاتِ اسلام	۲
52	مروج الذہب	۳
99	غلامانِ اسلام	۴
121	الہام کے ذریعہ سے مسکریزم	۵

تکالیف



کفر و ایمان کا جھگڑا

حسین بن منصور حلاج کے نظریات کی تشریح

عمر یست کہ آوازہ منصور گہن شد
من از سیر نو جلوه دہم دار و رس را

(۱)

دُنیا کو ہدایت کی ضرورت تھی۔ صراطِ مستقیم دکھانے کی ضرورت تھی۔ بصیرۃ نیرہ کی ضرورت تھی۔ رشد و نور کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور آنحضرتؐ نے کلام اللہ کی تبلیغ فرما کر سارے زمانہ کی یہ ضرورت پوری کر دی۔ آسمان کا جو پیغام آپ نے زمین کو پہنچایا وہ یہی قرآن تھا۔ جواب بھی ہم میں موجود ہے۔ اور ہمارا ”امامِ مبین“ ہے دنیا کو وحی والہام پر جس طریقہ سے چلایا۔ وہ اسی سنتِ سنیہ کا مجموعہ تھا۔ جو صحاحِ احادیث میں آج بھی مجتمع ہے۔ اور عہدِ رسالت کا تعامل اس سے ظاہر ہوتا ہے فرزندِ انِ توحید کو استنباطِ مسائل کا جو منہاج بتایا۔ وہ یہی فقہ ہے۔ جو جامعِ فقہیات میں اس وقت بھی مدون ہے۔ اور عبادات و معاملات و خصومات و احکام میں ایک شائستہ و مہذب و متمدن و پابندِ قانونِ زندگی کی حدیں۔ اس سے جدا جدا نظر آتی ہیں۔

(۲)

حجرۃ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے دروازے پر چند صحابہ حاضر تھے اور آپس میں تقرب الی اللہ کے ذرائع پر گفتگو کر رہے تھے کسی نے ترکِ طعام پر زور دیا۔ کسی نے ترکِ راحت و آرام پر زور دیا۔ کہ شاید انہیں طریقوں سے خدا مل جائے۔ مکالمہ ہو ہی رہا تھا کہ آنحضرت سلام اللہ علیہ حجرۃ مبارکہ سے باہر نکل آئے۔ اور صحابہ سے خطاب فرمایا۔ کہ میں سوتا بھی ہوں۔ جاگتا بھی ہوں کھانا بھی کھاتا ہوں۔ آرام بھی کرتا ہوں۔ اور پھر تم سب سے زیادہ مقرب بارگاہِ الہی ہوں۔

ایک مرتبہ سوال کیا گیا۔ کہ بہترین عبادت کونسی ہے۔ کہ خدا اس سے خوشنود ہو۔ جواب ملا کہ ادائے فرائض بہ اعتدال و اخلاص و استقامت کہ بندوں کے حق میں اگر اس سے بہتر کوئی

بات مناسب ہوتی۔ تو خدا اسی کو فرض کئے ہوتا۔

حضرت ابو خثیمہ کہتے ہیں کہ خلافت راشدہ میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے شاہ راہ زہد و تقویٰ پر چلنے کا ایک خاص طریقہ وضع کر لیا تھا۔ انہیں میں سے بعض افراد ایک مرتبہ مدینہ مشرفہ کے بازاروں میں سے گزر رہے تھے اور اس حالت میں گزر رہے تھے۔ کہ بہت ہی آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کرتے اور نہایت پھونک پھونک کے زمین پر قدم رکھتے اہل مدینہ کے لئے یہ بالکل نئی روش تھی۔ ایک صحابیہ کی جن کا نام حضرت شغاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا تھا۔ ان پر نظر پڑی۔ تو متعجب ہو کے پوچھا۔ من ہولاء و ما ہذا۔ یہ کون لوگ ہیں۔ اور کیا روش ہے؟ جواب ملا نساک یہ ناسک ہیں۔ یعنی زاہد و عابد ہیں۔ صحابیہ نے کہا۔ کسان واللہ عمر اذا تکلمہ اسمع و اذا مشی سرع و اذا ضرب وجع و هو واللہ ناسک حقا فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب باتیں کرتے تھے تو ایسے لہجہ میں باتیں کرتے تھے۔ کہ لوگ اچھی طرح سن لیں۔ جب چلتے تھے تو جلدی جلدی تیز چلتے تھے اور جب مارتے تھے تو درد انگیز مار مارتے تھے۔ با ایں ہمہ خدا کی قسم وہ حقیقت میں ناسک اور زاہد والے تھے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اکثر انی الصباۃ کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ ایک بزرگ نظر پڑے۔ جنہیں کثرت عبادت و اعراق فی الزہد نے بالکل ہی نحیف و ضعیف کر دیا تھا۔ تا آن کہ ان کی صورت محض ایک ہیولی رہ گئی تھی۔ اشک پیہم نے آنکھیں خشک کر دی تھیں۔ اور حدتے تک دھنس گئے تھے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کیفیت دیکھی۔ تو فرمایا کہ ان ہذا الدین متین فادخل فیہ برفق ان المنۃ لارضاً قطع ولا ظہر اقی۔ یہ دین متین ہے اس میں نرمی سے داخل ہو۔ جو تیز رفتاری کی دھن میں اپنے رفیقوں کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور منزل مقصود پر جلدی پہنچنے کے لئے بہ کمال سرعت قدم بڑھاتا ہے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ تو کچھ مسافت ہی اس سے قطع ہوتی ہے اور نہ جانور ہی اس کی سواری میں زندہ بچتا ہے۔

(۳)

یہ ایمان تھا۔ اسلام تھا۔ احسان تھا۔ جس کی مکمل تعلیم ہم کو قرآن نے دی۔ حدیث نے اس کے جزئیات بتائے۔ اور فقہ نے اس کے لئے ضوابط بنائے۔ رسول اللہ علیہ وسلم اسی کو لے کر آئے تھے۔ آپ نے کوئی ایسی تعلیم نہیں دی کوئی ایسی بات نہیں کی۔ جو شریعت کے علاوہ ہو۔ آپ

کے آل و اصحاب بھی شریعت ہی کی تعلیم دیتے رہے اور شریعت ہی پر چلتے رہے۔
 امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا۔ کہ ظاہر شرع کے علاوہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو کچھ اور بھی ملا ہے امیر المومنین نے جواب دیا کہ ماخصنی اللہ
 بشی الا الفہم فی القرآن۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز مجھ سے مخصوص نہیں کی۔ جو سب کو ملا وہی
 مجھے بھی ملا۔ جو سب کا اسلام ہے وہی میرا اسلام بھی ہے بجز اس کے کہ مجھے قرآن کے سمجھنے کا ماوہ
 اللہ تعالیٰ نے زیادہ عطا فرمایا ہے۔

بایں ہمہ مقتضیات روزگار نے ایک ایسا گروہ بھی پیدا کر دیا۔ جس نے شریعت کے علاوہ
 طریقت کی بھی ایک راہ نکال لی۔ ہم کو اس پر بھی کچھ ایسا اعتراض نہیں۔ آپ طریقت کے پیرو
 ہیں۔ شوق سے پیروی کیجئے لیکن شریعت کو نظر انداز نہ کر دیجئے۔ کہ ہم کو خود ایسے قدمائے صوفیہ کے
 حالات معلوم ہیں۔ جو شریعت کو سب پر مقدم رکھتے تھے۔ اور جن کی صوفیانہ زندگی ہم مسلمانوں
 کے لئے بھی موجب مہابات تھی۔ آپ اگر ویسے ہی صوفی ہو جائیں۔ ویسے ہی زاہد و عابد
 ہو جائیں۔ ویسے ہی سالک اور ناسک ہو جائیں تو ہم میں آپ میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن
 افسوس تو یہ ہے کہ آپ نے چند مراسم کو تصوف سمجھ رکھا ہے۔ چند مردجات کو طریقت بنا لیا ہے چند
 شطیحات پر مدار کار ہے۔ مگر شریعت کہ اصل الاصول وہی تھے سب سے فروتر رکھی گئی ہے۔ اور اس
 کے مقدس احکام کا انتشار تو درکنار جو خرقہ پوش مترسم جس قدر شریعت سے دُور اور خرافات سے
 قریب ہو گا اسی قدر وہ خصانِ خدا میں زیادہ مرتبہ والا سمجھا جائے گا۔

(۴)

طریقت اگر منانی شریعت نہیں ہے تو ہم ان لوگوں کو دخیل فی الطریقت کہنے پر از روئے
 اسلام مجبور ہیں ”جو کوئے جاناں سے خاک لاتے ہیں“ اور ”اپنا کعبہ الگ بناتے ہیں۔“ ایسے ہی
 افراد ہیں ایک صاحب حسین بن منصور حلاج بھی تھے جنہیں عجمی تصوف کے شاعرانہ لٹریچر نے خدا
 بنا دیا ہے اور اگر چہ روایت صوفیہ خود ان کے عہد میں انہیں کسی نے بھی مقبول نہیں مانا
 ہے۔ اور سب ہی نے ان کو رد کیا ہے مگر زوال تمدن عرب کے زمانہ میں وہی سر چڑھائے
 گئے۔ اور انہیں کو طریقت کا شیخ الشائخ مان لیا گیا۔ ان بزرگ کی تصنیفات کے نام اگر چہ علامہ ابن
 الندیم بغدادی کی کتاب الفہرست میں ہم نے پڑھے تھے۔ مگر دنیا نے یہ بات مان لی تھی کہ فتنہ

تاتار نے ان کی ساری کتابیں ضائع کر دیں۔ اور سارے نسخے ناپید ہو گئے۔ دیارِ اسلام یا اقطاعِ مغرب میں کہیں بھی حسین بن منصور حلاج کی۔ یا شہرتِ عامہ کے اتباع میں یوں کہتے کہ منصور حلاج کی کوئی کتاب موجود نہ تھی اس لئے ہم ان کی نسبت رائے قائم کرنے میں اسی قدر قلیل ذخیرہ بسیرہ کی معلومات پر کفایت و قناعت کرنے کے لئے مجبور تھے جو مورخین عرب نے اپنی مشہور تاریخوں میں یا صوفیوں نے اپنے مولفات و ملفوظات میں فراہم کی ہیں۔

لیکن خدا بھلا کرے دانا یاں فرنگ کے ذوقِ علمی کا کہ اس پر آشوب زمانہ میں بھی ان کا شوق تحقیق کم نہ ہوا۔ اور ان کی طلبِ صادق خاص منصور کی ایک تصنیف کردہ عربی کتاب سے زمانہ کو روشناس کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

اس قدیم اور نادرہ روزگار تصنیف کو فرانس کے ایک نہایت نادر مستشرق نے شائع کیا ہے جو خدا کے فضل سے اس وقت ہمارے پاس بھی موجود ہے اور ہم کل سے اس پر تبصرہ کا سلسلہ شروع کر دیں گے جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ منصور کا تصوف کیا تھا۔ اور وہ کس درجہ بختِ مستقیمِ اسلام کے مخالف واقع ہوا ہے۔ حیف ہے کہ منصور کا یہی غیر اسلامی تصوف ہمارے آج کل کے صوفیوں میں رائج ہے۔ اور ان بزرگوں نے اسی متاعِ ناسرہ کو نغزہ و درست سمجھ رکھا ہے۔ اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس زندقہ کے وہ شیدائی ہیں وہ الحاد فی الدین ہے کفر باللہ ہے۔ استہزاء بالقرآن ہے تصوف کو اور اصلی تصوف کو اس سے کچھ سروکار نہیں طریقت اس سے بیزار ہے۔ اور حقیقت کو اس کے انتساب سے ہزاروں ہزار رنگ و عار ہے۔

(۵)

کوئی صوفی کسی عقیدہ کا ہو۔ لیکن وہ اس حقیقت سے انکار کرنے کی ہرگز جرات نہیں کر سکتا کہ اصلی تصوف کیا ہے۔ جس چیز کی اصلیت کا اندازہ کرنا ہو۔ تو اس کے ایامِ نشرو نشور و تکوین کی کتابوں سے اس کا اندازہ کیجئے کہ اقرب الی الصواب یہی طریق ہے اس اصل الاصول کے مطابق آپ کو طریقت کی حقیقت دریافت کرنی ہو۔ تو قدمائے صوفیہ میں جو مانے ہوئے صدورِ ائمہ و رؤسِ ائمہ ہیں۔ ان کی کتابوں سے اس حقیقت کو دریافت کیجئے حضرت یحییٰ معاذ رازی قدس اللہ سرہ کی کتاب الفقر والغنی پڑھئے۔ حضرت امام قشیری کا رسالہ پڑھیئے حضرت شیخ عبدالرحمن السلمی کی طبقات الصوفیہ پڑھئے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف پڑھئے اور پھر

دیکھئے کہ یہ وہ کتابیں ہیں جن کی نسبت ہم کو رائے زسی کی تو ضرورت نہیں۔ البتہ صوفیوں کے خیال میں یہ ہر ایک زمانہ میں جانِ تصوف و روح و مردانِ طریقت مانی گئی ہیں مگر منصور کی کتاب زیرِ نظر ان سے کس قدر مختلف واقع ہوئی ہے۔

منصور کا تصوف آپ کو ایک ایسی راہ پر لے جاتا ہے جو کم از کم قرآن کی راہ تو نہیں ہے یا گر کسی فاقد البصیرۃ کی نظر میں قرآن کا احترام نہ ہو کتبِ صوفیہ ہی کا احترام ہو جب بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی طاب ثراہ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ سے تصوف کی جو راہ دکھائی ہے منصور کا سنگلاخ راستہ اس منہاج سے بالکل ہی الگ تھلگ واقع ہوا ہے پھر بھی آپ اس بیڑ کو پسند کرتے ہیں اور اس جادہ سوئیہ کو آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھتے۔

انصاف کیجئے۔ آپ دنیا جہان کو مشعلِ ہدایت دکھانے چلے تھے کہ اہل شریعت تو ظاہر پرست ہیں۔ باطن کی معرفت آپ ہی کے لئے مخصوص ہے ہم مانتے ہیں کہ اہل شریعت نے سچ سچ اپنی صورت بگاڑ لی۔ اور ہم اس پر سا لہا سال سے زار نالی کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن شمعِ بزمِ طریقت ہو کر جو خود آپ بھی گم کردہ راہ ہو گئے ہوں۔ تو جو لوگ آپ پر کتاب و سنت پیش کرتے ہوں۔ آپ کو قرآن و حدیث کی دعوت دیتے ہوں۔ آپ کو ان سے مکابرہ کرنا چاہئے۔ ان سے برس برس پر خاش ہونا چاہئے۔ انہیں دشنام دینی چاہئے۔ ان کی بات سن لینی چاہئے۔ اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔

(۶)

شریعت ہی کا قانون ہے جس کی پابندی اہل حق پر فرض ہے اور جناب باری نے اپنے بندوں کو صدق و حقیقت کے اس فرض بزرگ کے علاوہ اور کسی امر کے لئے مکلف نہیں بنایا۔ کائنات میں جس قدر سچائیاں ہیں سب اسی قانونِ شریعت کے اندر موجود ہیں۔ روحِ انسانی ارتقا کے انتہائی معارج طے کرنے کے بعد راحتِ ابدی و عیشِ جاودانی کی جس معراج پر فائز ہو سکتی ہے وہ اسی قانون کا صدقہ ہے اس کے علاوہ نہ کوئی اور قانون ہے نہ کوئی اور ضابطہ۔ اس کے مقابلہ میں اگر کسی اور دستور کسی اور آئین کسی اور کلیہ کسی اور جزئیہ کو پیش کیا جاسکے۔ تو وہ دراصل اسی کا تابع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانونِ اعظم کو پوری شرح و وسط کے ساتھ کھول کھول کر بتا دیا ہے۔ لیکن ہم اس شرح میں نہ تو کہیں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ روحِ انسانی آفرینش عالم سے

پہلے بھی موجود تھی۔ یا ذات باری کے جوہر میں سے اس کا خروج ہوا تھا۔ ہم کو یہ بات بھی کہیں نظر نہیں آتی کہ باری تعالیٰ کی حیثیت ذاتاً و صفاتاً بہ لحاظ خالق ہونے کے مخلوقات سے کچھ جدا نہیں ہے بلکہ وہ ہر ایک چیز کی عین ہے اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں وہ اسی طرح ساری و طاری ہے جس طرح بوگلاب میں ہو۔ یا کیف شراب میں اس دقیق نکتہ پر بھی ہماری کہیں نظر نہیں پڑی۔ کہ رُوح انسانی اپنے مبداءِ اصلی یعنی ذات باری سے جدا ہو کر ۳۵ ہزار نورانی پردوں کو چاک کرتی ہوئی اور ۳۵ ہزار ظلماتی حجابات کو چیرتی ہوئی اس دنیائے دوں میں آتی ہے اور جب تک یہاں رہتی ہے اس کی غایت الغایات بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ کہ کسی طرح تزلزلات کے چکر میں سے نکل جائے اور بطریق صعوبت ستر ہزار پردوں کو اٹھا کر اس قطرہ کی طرح جو بالآخر سمندر میں جا ملتا ہو پھر خدا کے نور میں جا کر جذب ہو جائے اور دنیا و عقبیٰ حشر و نشر جزاء و سزاء جنت و دوزخ ان سب تصورات کو قرآن کریم کی لفاظی سمجھ کر اپنی جداگانہ ہستی کو مٹاتی ہوئی خدا کی ہستی میں شامل ہو جائے کہ دراصل وہ خود بھی خدا ہی کا ایک جزو تھی جو تھوڑی دیر کے لئے اس سے جدا ہو گئی تھی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قانون میں کہیں یہ قول بھی دکھائی نہیں دیتا کہ رُوح انسانی کائنات کی رُوح اعظم یعنی ذات باری میں ضم اگر ہو سکتی ہے تو محض بواسطہ تواجد و تراقص کہ ناچتے ناچتے حال آگیا اور رُوح صاحبہ پکارا اٹھیں کہ پالیا۔ پالیا۔ میں ہی خدا ہوں اور بی صاحبہ کی سہیلیاں جو اس رقص والہانہ کے قطارگیوں میں شریک تھیں پکارا اٹھیں کہ صل و جل حقیقت یہ ہے کہ تمام باتیں جنہیں تصوف نے حقیقت کا عطیہ قرار دے کر شریعت کے علی الرغم اسلام کے سرمنڈھنا چاہا ہے۔ اسلام کو ان سے کچھ تعلق نہیں۔ اور اسلام میں ان کا نشان تک نہیں پایا جاتا اور اسلام کو حق ہے کہ اگر یونانی اور ویدانتی فلسفے کے ان شطیحات کو اس سے منسوب کیا جائے تو وہ جوش میں آکر کہے کہ سجانک ہذا بھتان عظیم۔

(۷)

مسیحی تصوف کے پیر طریقت سینٹ اگسٹائن جنہیں کلیسیائی عیسوی قطب الاقطاب مانتا ہے۔ اپنے اس انداز تحریر میں جس کی الجھنوں نے صد ہا مسیحی مفسروں سے بڑی بڑی مطول شرحوں کا خراج وصول کیا ہے حسب ذیل پراسرار نکتہ صوفیانہ ارشاد فرماتے ہیں۔
 ”انسان حقیقت میں خود وہی ہے۔ جو اس کا محبوب ہو۔“

مسیحی کتاب الحبت والشوق کے اس دیباچہ کی شرح مشہور مغربی صوفی بزرگ ایکہارٹ نے اس طرح کی ہے۔

”اگر انسان پتھر سے لو لگائے گا تو پتھر ہو جائے گا۔ انسان سے عشق کرے گا تو انسان ہو جائے گا۔ خدا کی محبت کے نشہ میں سرشار ہو گا تو..... لیکن مجھے مجال نہیں کہ اس سے آگے کچھ کہوں۔ اس لئے کہ اگر ایک کلمہ بھی میرے منہ سے نکلا جس نے حقیقت کو ظاہر کر دیا اور میں نے کہہ دیا کہ انسان خدا کے عشق کے نشہ میں چور ہو کر خدا ہو جائے گا تو آپ لوگ مجھے سنگسار کر دیں گے۔“

اس پر مغرب کے مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن جن کی ایک عمر تصوف اور اس کی چھان بین میں بسر ہوئی ہے کیا خوب فرماتے ہیں۔

”یہ تو مسیحی صوفی تھے جن کی زبان پر قرون متوسط کے کلیسیائی وومن کیتھولک نے جبر کی مہر لگا رکھی تھی۔ اور ان کو اجازت نہ تھی کہ اپنے دل کی بات علی الاعلان کہہ دیں لیکن دنیائے اسلام میں آزادی تقریر و تحریر زیادہ تھی مسلمان صوفیوں کو حق حاصل تھا کہ جو جی میں آئے کہہ دیں۔ اور اگر ان کے اقوال شریعت کے آداب سے متجاوز ہو جاتے تھے اور وہ حد سے بڑھ جاتے تھے تو وہ عموماً اس ترشے ہونے غدر کی آڑ میں پناہ لے لیا کرتے تھے۔ کہ ہم اس وقت عالم بیخودی میں ہیں ہم پر سکر کی حالت طاری ہے ہمیں حال آ گیا تھا۔ ہم صراطِ صحیحہ سے بہک گئے تھے اور اس لئے مرفوع التعليم تھے ہمارے لئے حرام بھی حلال تھا۔ اس عذر کو اہمیت مسلمہ واجبہ قرار دینے کی خوگر ہو گئی تھی یہاں تک کہ جلال الدین رومی تک اسی عذر کو اپنی سپر بنا کر کہہ اٹھے کہ اے میرے نفس مطمئنہ اگر میں کہوں کہ تو ہی خدا ہے تو مجھے کافر قرار نہ دے۔“ اور اس قول کی شرح یہ کہہ کے کر دی کہ تم لوگ خدا کو ڈھونڈتے ہو۔ تمہاری جستجو عبث ہے کیونکہ خدا تو خود تمہیں ہو۔

پروفیسر نکلسن کا خیال بالکل صحیح ہے کہ مسلمانوں نے ان بزرگوں کو جنہیں حقیقت شناسی کا ادعا تھا اور جنہوں نے تصوف کی آڑ میں ہر ان کہی بات کہی ہے ہمیشہ اس بنا پر روادارانہ سلوک کا مستحق خیال کیا ہے کہ ان حضرات کے ناگفتنی اقوال ان کے بے معنی و عادی اور مجذوبانہ خود فراموشی کے شاخصانے تھے اور ایسی حالت میں ان سے کوئی باز پرس نہ ہونی چاہئے۔

بے چارہ مسلمان حقیقت میں ایک نہایت ہی بھولی بھالی ہستی ہے اور مصالحت تو اس کی کھٹی میں پڑی ہے یہ دنیا کے پھل فریب اور بے بازیوں کو کیا جانے ہر ادنیٰ درجہ کا عطائی اپنی چکنی

چڑی باتوں سے اس کو غلط فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے اسلام کا واسطہ بنا کر ہر کافر و کفر اس کو رام کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر ہر گیر ژند باف اس کے کعبہ کو آتش کدہ بنا سکتا ہے۔

کہ ترک سادہ مابا فقہیاں برنی آید

لیکن اسلام کے پاس سادہ لوح فرزند کو کبھی بھولے سے بھی یہ خیال آیا کہ اگر خود فراموش صوفی کی حالت سُکر رہی حقیقت کی آئینہ دار ہے تو پھر یہ کیا ماجرا ہے کہ بے خود ہو کر اس کی زبان پر ”انا الحق“ کا نعرہ مستانہ تو جاری ہو جاتا ہے لیکن قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کی آسمانی آواز ستر ہزار پردوں کی فضاؤں کے اندر بھی گونجنے نہیں پاتی وہ ناچ ناچ کر اور تھرک تھرک کر اور بھاؤ بتا بتا کر یہ تو کہنے لگتا ہے کہ میں ہی خدا ہوں لیکن اس کے جھوٹے منہ سے آج تک اس عالم بیہوشی میں جسے عین ہوش کہا جاتا ہے یہ نقرے نہ نکلے۔ هُوَ إِلَهٌ لِّلَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔

شاید یہ کہا جائے گا کہ یہ باتیں قال والوں کے لئے ہیں۔ قرآن خوانی بادی پیمائی ہے بادہ

نوشوں کو اس سے کیا سروکار؟

لاکھوں مسلمان اس فقرہ میں آیا کئے ہیں اور اُمت مرحومہ کے ان گنت نقوش کے ایمان

کا آئینہ اسی رنگ سے آلودہ ہوتا چلا آیا ہے لیکن کچھ خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جن پر یہ افسوں

نہیں چلا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ نہ چلے گا منصور حلاج جس نے یہ افسوں شاید دنیائے اسلام میں

سب سے زائد پھونکا ہے کتاب الطوا سین کے اندر اپنے اصل رنگ میں نظر آتا ہے اور اسی طوما

رخرافات پر نظر ڈالنا ہمارا مقصود ہے۔

یہ کتاب الطوا سین موسیو بے سگنان نے شائع کی ہے اصل عربی کے ساتھ ساتھ فارسی

ترجمہ بھی ہے۔ اور پھر فرانسیسی زبان میں اس پر ایک نہایت مبسوط مقدمہ و تبصرہ ہے جو اگرچہ بہت

ہی دلاویز و دلکش تحقیقات سے لبریز ہے مگر سرد سبت ہم اس سے بھی قطع نظر کرتے ہیں کہ سب

سے پہلے منصور کے معتقدات و تصوف پر ہم کو روشنی ڈالنی ہے اور خود منصور ہی کی عبارت سے اس

متن کی شرح کرنی ہے و ستر اہ غدا۔ وان غدا الناظرہ قریب۔

(۸)

فلسفہ: آفرینش: مسئلہ آفرینش کائنات کی لم فلسفیوں نے تو یہ بتائی ہے کہ اول اول بجز ایک ہیولائی مادے کے غیر منتہی تو دے کے اور کچھ نہ تھا جس کے اجزائے لائتجزئی میں جذب و دفع۔ اصوق و پیوستگی جمود و حرکت برودت، حرارت، لطافت و کثافت، بالیدگی و کاهیدگی، رتق و فتق کی متضاد مگر لازم و ملزوم قوتیں موجود تھیں۔ اپنے وقت پر یہ قوتیں بروئے کار آئیں اور مادہ ہیولائیہ اصلیبہ صورت پذیر ہو کر عوالم و شمس و اقمار و ثوابت و نجوم و معیار کے نظامات کی شکل میں نمودار ہو گیا اور ان گنت زمانوں کے گزرنے کے بعد اس کی بیئت کزاسیہ یہ ہو گئی جو اب نظر آتی ہے۔

قرآن کی شہادت:

فلسفہ کے ان حقائق عمومی پردہ ام الکتاب بھی جس پر ہمارا ایمان ہے کم از کم ایک آیت نیرہ سے روشنی ڈالتی ہے سورۃ الانبیاء میں ہے:-

اولم یرالذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنا ہما وجعلنا من الماء

کل شینی حتی فلا یومنون.

یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے جو ناسپاس و ناشکر گزار ہیں جو خدا کی خدائی کو نہیں مانتے کیا وہ یہ نہیں دیکھتے۔ کیا انہیں اس پر غور کرنے کی فرصت نہیں ہے کہ آسمان اور زمین یہ سب ایک وقت میں ایک ہی تھے ایک گول دائرہ جیسے تھے جنہیں ہم نے جدا جدا کر دیا۔ اور ہر چیز کو ہم ہی نے پانی کی کیفیت سے زندگانی بخشی۔ کیا اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتے؟

اتحاد و صوفیہ:

تکوین عالم کا ایک تو یہ فلسفہ ہے جس کی شہادت ہمیں نہ صرف آج کل کی ترقی یافتہ وراثت بلکہ خود اپنی مقدس دیرینہ روایت حتیٰ کہ قرآن کی آیت سے ملتی ہے لیکن حضرت متصوفین کے لئے علوم جدیدہ اور معارف قرآنیہ کافی نہیں۔ انہوں نے ایک نیا فلسفہ ایجاد کیا ہے اور زمین اور آسمان۔ آفتاب و ماہتاب۔ حجر و شجر۔ اور حیوان البشر کی آفرینش کی ایک انوکھی وجہ تصنیف کی ہے جسے چند لفظوں میں اس مشہور جملہ کے ذریعہ سے ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ بطریق معتاد اسے جناب باری کے منہ سے نسبت دے دی گئی۔

كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ۰

یعنی خدا فرماتا ہے کہ میں ایک گنج مستور تھا۔ ایک پوشیدہ خزانہ تھا میرا جی چاہا کہ میری معرفت عام ہو۔ میں روشناس ہو جاؤں۔ اس بناء پر میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

ادائے معشوقانہ:

اس ذوق خود آرائی کی عنصری مثال کو پیش نظر رکھ کر جو کسی عروس خود بین کو آئینہ کے سامنے گھنٹوں اپنے ہی جمال کے نظارہ پر مجبور کیا کرتا ہے ان بزرگواریوں نے خدا کو بھی ایک معشوق سمجھ لیا ہے جس نے اپنے حسن لایزال کو خود اپنی آنکھوں دیکھنے کے لئے یہ کائنات بنائی۔ جو گویا ایک آئینہ ہے کہ اس میں اسے اپنی صورت نظر آرہی ہے غرض دنیا کیا ہے اچھا خاصہ بچوں کا کھیل ہے بھان متی کا تماشا ہے پتلیوں کا ناچ ہے نظریہ آفرینش کائنات کے یہ صوفی پروفیسر قرآن مجید کو کھول کر دیکھتے۔ اور سورۃ الانبیاء کی تلاوت کرتے۔ اور ان آیات پر غور کرنے کی انہیں توفیق عطا ہوتی و ما خلقنا السماء و الارض و ما بینھما الا عبین لو اردنا ان نخذ لھو الا نخذنا من لدنا ان کنافا علیین بل نقذف بالحق علی الباطل فیہ مغۃ فاذا ہوزاھق و لکم الویل مما تصفون۔

ہم نے آسمان کو، زمین کو، آسمان و زمین کی درمیانی خلقت کو کھیل تماشے کے لئے نہیں پیدا کیا ہے اگر ہم لہو و لعب ہی کرنا چاہتے تو وہ کچھ کرتے جو ہماری قدرت و عظمت کے شایان شان ہوتا۔ جو ہم کو زیب دیتا حقیقت یہ ہے کہ ہم باطل کے سر پر حق کو دے مارتے ہیں دونوں کو ٹکر دیتے ہیں حق اسے چکنا چور کر دیتا ہے پاش پاش کر ڈالتا ہے اور وہ یک بیک مٹتا ہوا نظر آتا ہے اور تم پر عذاب ہو۔ تم کیسی تو صیف کر رہے ہو کیسی کیفیت بیان کرتے ہو۔

ان آیات کریمہ سے صاف نظر آتا ہے کہ کائنات کو جناب باری نے کس لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس پیدائش میں اس نے کیا حکمت رکھی ہے۔ یہ حکمت دو لفظوں میں بیان کر دی گئی ہے کہ دنیا حق و باطل کی رزمگاہ ہے لیکن متصوفین حق و باطل کی جاں کاہ بحث کو چھوڑ کر لہو و لعب کی زیادہ تردکش داستان چھیڑ دیتے ہیں اور ہمیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ۔

حسن بے پردہ خریدار متاع جلوہ ہے

آئینہ زانوائے فکر اختراع جلوہ ہے

خدا انسان اور انسان خدا ہے:

منصور حلاج اس بازی گرانہ فلسفہ کا ایک بہت بڑا شازح ہے۔ وہ اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ انسان کو جو ہر خدا ہے۔ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ آدم اس کے ازلی وابدی عشق کی تصویر ہے۔ اپنی ذات سے اس نے اس تصویر کا عکس ڈالا کہ یہ عکس اس کے لئے بمنزلہ ایک آئینہ کے ہو اور اس آئینہ میں وہ اپنی صورت دیکھا کرے یہی وجہ تھی کہ اس نے فرشتوں کو آدم کی پرستش کا حکم دیا کہ آدم اور مسیح دونوں میں وہ مجسم ہو کر دنیا میں رونما ہوا۔ چنانچہ منصور کا قول ہے۔

”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی انسانیت (آدم) کی وساطت سے اپنی شان ربوبیت کا راز آشکار کیا۔ اور اس کے بعد وہ اپنی مخلوقات کے سامنے بصورت ظاہر اس شخص (مسیح) کی شکل میں نمایاں ہوا جو کھاتا بھی تھا اور پیتا بھی تھا۔“

انسانیت اور ربوبیت کے لئے منصور نے ناسوت اور لاہوت کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اور اس کے جن جسمی و حلوی معتقدات کو آپ نے اقتباس بالا میں ملاحظہ فرمایا ہے۔ وہ اس کے اس نکتہ کی شرح ہیں کہ از بس کہ خدا کا ناسوت انسان کی کل بدنی اور روحانی فطرت کو شامل ہے لہذا خدا کالاہوت اس فطرت کے ساتھ صرف بطریق تجسم یا علی سبیل حلول ہی متحد ہو سکتا ہے۔ خدا اور انسان کو اس طور پر مشترک فی الذات والصفات ثابت کر کے منصور کو چہ انا الحق کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور کہتا ہے۔

”تیری روح میری روح میں اسی طرح گھل مل گئی ہے جس طرح شراب میں آب مصفتے۔“

”جب کوئی چیز تجھے چھوتی ہے تو وہ مجھے بھی چھوتی ہے اے خدا ہر حال میں تو وہ ہے جو میں ہوں۔“

”میں وہی خدا ہوں جو میرا محبوب ہے، اور وہ جو میرا محبوب ہے۔ وہ خود میں ہوں ہم دو روحمیں ہیں جو ایک ہی جسم میں ہیں۔“

”اے کہ تو مجھے دیکھتا ہے جان لے کہ تو اس کو بھی دیکھتا ہے۔ اوزا اگر تو اس کو دیکھتا ہے تو یقین مان کہ تو ہم دونوں کو دیکھتا ہے۔“

: ظاہر ہے کہ مسلمانان ان مشرکانہ عقاید سے سخت بیزار ہیں اور منصور کے یہ عقائد اس کے قتل کے بعد اس کے مریدوں کی طرف ایک خاص جماعت کا دستور العمل بنے رہے۔ لیکن

حکومت کے مقابلہ میں اس کی مظلومی اس کے آڑے آگئی۔ اور آنے والی اسلامی نسلوں نے شاعروں اور صوفیوں کی مدد سے اس کی تعلیم پر پردہ ڈالنے اور اسے طریقت کا شیخ الشیوخ ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ سارکیم ایاتی فلائسٹنجلون۔

(۹)

حسین بن منصور حلاج کے تصوف کی ہیئیات اصلہ خود انہیں کی تصنیف (کتاب الطوہ اسین) میں نظر آتی ہے۔ قرآن حکیم ابلیس کو ملعون کہتا ہے خدا اس کو مردود کرتا ہے۔ اسلام اسے خست و شر کی صورت مثالیہ مانتا ہے مگر منصور کا تصوف اسی ابلیس کے مناقب و محامد میں رطلب اللساں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار میں ایسے ایسے دلائل پیش کرتا ہے جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ابلیس اس انکار میں بڑسرق تھا۔ اور شریعت بڑسرباطل ہے۔

شیطان کے فضائل:

منصور نے اپنی کتاب میں "طاسین الازل والالتباس" کا جو عنوان قائم کیا ہے اس میں دعویٰ کیا ہے کہ ماکان فی اهل السماء موحد مثل ابلیس۔ یعنی آسمان والوں میں ابلیس جیسا موحد کوئی دوسرا نہ تھا۔ اس دعویٰ کی دلیل میں لکھا ہے۔

لَعْنُ (ابلیس) حین وصل لی التفرید فقال له اسجد قال لا غیر قال له وان علیک لعنتی الی یوم الدین قال لا غیر مالی الی غیرک سیل وانی محبت ذلیل قال له استکبرت قال لو کان لی معک لحظة لکان یلیق بی التکبر والتحیر وانا الذی عرفتك فی الازل انا خیر منه رای من ادم الان لی قدمه فی الخدمة لیس فی الکوین اعرف منی بک۔

اس عبارت کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ابلیس اس وقت ملعون ہوا جب تضرید کے درجہ تک پہنچا (مرتبہ تضرید بھی تصوف ہی کا ایک مرتبہ ہے) اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے لئے حکم دیا شیطان نے کہا تیرے سوا کوئی دوسرا تو موجود ہی نہیں" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ پر میری لعنت تا بہ روز قیامت شیطان نے پھر یہی کہا۔ کہ "تیرے سوا کوئی دوسرا تو موجود ہی نہیں..... دوسروں سے میری

راہ و رسم ہی نہیں میں صرف تیرا ہی چاہنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ”تو نے استکبار اختیار کر لیا ہے شیطان نے جواب دیا کہ ”تیری معیت میں اگر ایک ہی لحظہ مجھے گزرا ہوتا۔ جب بھی تکبر و جباری میرے مناسب حال تھی کہ تجھے ایسے معبود حقیقی کی معیت نصیب ہو چکی ہے۔ پھر اس نعمت سے شرفیاب ہوتے ہوئے میرا مد مقابل دوسرا کون ہو سکتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ایک لحظہ کیا چیز ہے میں نے تو تجھ کو ازل ہی میں پہچان لیا تھا۔ اور تیری معرفت مجھے حاصل ہو گئی تھی میں آدم سے بہتر ہوں اس لئے کہ میں تیرا قدیم الخدمت ہوں۔ اور مجھ سے زیادہ تیری ذات و صفات کا عارف دونوں جہان میں کوئی نہیں۔

حضرت موسیٰ اور شیطان کی ملاقات:

اسی سین الذل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شیطان کی ملاقات کا تذکرہ بھی کیا ہے اور ترک سجود کی ذیل میں اس کی توحید پرستی کی تکریم و تمجید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

التقى موسى وابليس من عقبه الطور فقال له يا ابليس ما منعك عن السجود. قال
منعتي الدعوى بمعبود واحد واسجدت له لكنك مثلك فانك نوديت مرة واحدة
انظر الى لجبل فنظرت ونوديت الف مرة لا سجد ولكن ما سجدت الدعوى فقال
الله تركت الا امر. قال يا موسى هذا تغير الظاهر والحال لا محول عليه فانه يحول
لكن المعرفة صحته كما كانت وما تغير وان الشخص قد تغير فقال موسى الان
تذکره فقال يا موسى الفكرة لا تذکر. اما مذکور وهو مذکور ذکره ذکری وذکری
ذکره ان عذبنی بناره ابد الا بد ما سجدت لا حد ولا اول لشخص وجسد ولا
اعرف ضداً ادعوى دعوى الصادقين وانا فى الحب من الصادقين.

یعنی کوہ طور کی گھاٹی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ابلیس سے ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ ”شیطان! تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے باز رکھا تھا؟ اس نے کہا۔ کہ مجھے سجدہ کرنے سے اس چیز نے باز رکھا تھا کہ میں ایک ہی معبود کی بندگی کا دعویٰ کرتا تھا اگر میں آدم کو سجدہ کئے ہوتا تو انتشار امر میں میری حالت بھی تیری ہی جیسی ہوتی۔ صرف ایک مرتبہ تجھ کو آواز دی گئی کہ پہاڑ کی طرف دیکھ اور تو نے دیکھ لیا مگر مجھ کو ہزار مرتبہ آواز دی گئی کہ میں آدم کو سجدہ کروں۔ پھر بھی میں نے اپنے دعویٰ کی بنا پر سجدہ نہ کیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا۔ ”تو نے خدا کے

حکم کی بجا آوری چھوڑ دی، ابلیس نے کہا۔ ”یہ حکم نہ تھا یہ آزمائش تھی“ حضرت موسیٰ نے کہا۔ ”آخر تیری صورت تو خدا نے متغیر کر دی“ اس نے جواب دیا کہ ”یہ ظاہری تغیر ہے حالات پر انحصار نہیں کیونکہ حالات تو بدلتے رہتے ہیں اصل چیز خدا کی معرفت ہے جو بدستور صحیح و ثابت و راسخ ہے جیسے پہلے تھی۔ ویسے ہی اب بھی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی“ حضرت موسیٰ نے کہا۔ ”اب بھی تو خدا کو یاد کرتا ہے کہ نہیں“ اس نے کہا۔ ”فکر و خیال کو یاد میں نہیں لاتے میری بھی یاد کی جاتی ہے اور خدا کی بھی یاد کی جاتی ہے خدا کی یاد میری یاد ہے اور میری یاد خدا کی یاد ہے..... اگر وہ مجھے عذاب جاوید سے معذب کرے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالے رکھے جب بھی اس کے علاوہ میں کسی دوسرے کو سجدہ نہ کروں گا نہ کسی شخص کے لئے ذلیل ہوں گا نہ کسی کے جسم کے لئے ذلت اختیار کروں گا اور نہ میں یہ جانتا پہچانتا ہوں کہ خدا کی ضد بھی کوئی موجود ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے میرا دعویٰ راست بازوں کا دعویٰ ہے۔ اور میں خدا کی اُلفت و عشق میں راست باز ہوں۔“

عبرت و بصیرت:

ہم آگے دکھائیں گے کہ منصور نے صاف لفظوں میں شیطان کی تقدیس کی ہے اور اس کے دعویٰ کو درست مانتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے نتائج پر نظر ڈالتے ہیں جو طاسین الازل کی عبارات مذکورہ سے نکلتے ہیں۔

- (۱) شیطان اس وقت ملعون و مردود ہوا۔ جب تصوف کے درجہ تفرید میں وہ پہنچا ہے۔
- (۲) شیطان کی توحید پرستی کی عجیب شان تھی۔ کہ سب کچھ ہوا۔ مگر اس نے معبود برحق کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا۔

- (۳) شیطان فخر موجودات تھا۔ اس لئے کہ اسے روز ازل سے معرفت الہی حاصل تھی۔
- (۴) حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا جو حکم شیطان کو ملا تھا وہ حکم نہ تھا۔ ابتلا تھا۔
- (۵) باوجود ملعون ہونے کے معرفت ذات باری میں کوئی کمی نہیں آئی۔ شیطان اب بھی بہترین عارف باللہ ہے۔

- (۶) شیطان اپنے دعویٰ عشق و محبت الہی میں سچا ہے۔
- یہ نتائج ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کا انکار بھی منصور نے نہیں کیا ہے بلکہ جیسا کہ آگے

چل کر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان سب میں شیطان کی ستائش کی ہے۔ پھر کیا یہ تصوف قرآن و حدیث کے منافی و مغائر نہیں ہے۔ اور کیا آپ علم و اسلام سے اسی تصوف کے اجلال و اکرام کے متوقع ہیں۔ ربنا اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم اولاً لئلا یضلوا۔



سلسلہ ادبیات اسلام

.....(۱).....

کتنے ہی سودا ہیں۔ جو سر میں سمائے ہیں۔ کتنی ہی آرزوئیں ہیں جن کا دل میں ہجوم ہے کتنی ہی تمنائیں ہیں جو مرزا غالب کی آہوں کی طرح سینہ میں پے پے اٹھتی ہیں۔ اور ”بخیہ چاک گریباں“ بن جاتی ہیں لیکن دل کو کیا کیا جائے کہ ایک ہی ہے۔

یک دل و خیل آرزو دل بہ کجا کجا وہم
جی چاہتا ہے کہ قرآن مجید اور اس کے معارف و حقائق کے نشر و اعلا کے لئے زندگی کو وقف کر دیا جائے۔ اور بصیرت افروز اہتمام کے ساتھ کلام اللہ کا نسخہ لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر ہدیہ دنیائے اسلام کیا جائے جس کی آیات کا شمارہ ساتھ ساتھ درج ہو جس کے معانی و مطالب و لغات کی کلید بھی ساتھ ہی شامل ہوتا کہ ایک لفظ یا اس کے مادے کے مستحضر ہوتے ہی مقام مطلوب پیش نظر ہو جائے اور ساتھ ہی آیات ربانی کا اردو ترجمہ اس کی محققانہ تفسیر کے ہمراہ شائع کیا جائے۔

جی چاہتا ہے کہ احادیث حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک جامع نسخہ جو صحاح ستہ اور دوسرے مصنعات و مسانید و مجامع کا عصارہ ہو۔ ایک نئے انداز کی تفصیل و تبویب کے ساتھ مطالب احادیث کی فہرست ابجدی و عمومی کے تکرار کے ہمراہ شائع کر کے نہ صرف آج کل کے انگریزی خواں طبقہ بلکہ جمہور مسلمانان ہند کی ایک شدید ضرورت پوری کی جائے۔

جی چاہتا ہے کہ اسلام کی ایک سیزدہ صد سالہ عقلی تاریخ لکھ کر دنیا کو بتایا جائے۔ کہ اس حقیقت کبریٰ جس کی تجلیاں اول اول فاران کی چوٹیوں پر لمعہ ریز ہوئی تھیں۔ دنیا میں دانش و حکمت اور معارف و حقائق کے کیسے کیسے لمعات و انوار بصیرت کی آنکھوں میں بکھیرے ہیں۔

جی چاہتا ہے کہ یورپ نے دنیائے اسلام کی محیر العقول ترقیوں پر جو استشراتی روشنی

ڈالی ہے اس کے اقتباسات اہل نظر کے پیشکش کئے جائیں۔ اور ان کو بتایا جائے کہ جو کام آپ کے کرنے کا تھا وہ دوسرے کر رہے ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی بہت سی خواہشیں ہیں جو رہ رہ کر ہمارے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور کون مسلمان ایسا ہوگا جو انہیں باتوں کا خواہشمند نہ ہو۔

کیا وہ وقت آ گیا ہے۔ کہ یہ آرزوئیں پوری ہو جائیں اور اردو ان تمام حقائق کے دریا بہا کر دنیا کی بڑی بڑی زبانوں کے ان سمندروں سے جا ملے جن کے تہ کی گود میں علم فن اور حکمت و تحقیق کے ہزاروں لؤلؤ شاہوار پرورش پارہے ہیں۔

یقیناً وہ وقت آ گیا ہے۔ اور ہمارے اس یقین کی شہادت حیدرآباد دکن کی جامعہ عثمانیہ کا شعبہ تراجم و تالیفات دے سکے گا۔ یہ عظیم الشان کام اصل میں اعلیٰ حضرت نظام الملک آصف جاہ سابع شہر یار دکن ہی کی ہمت بلند کو زیب بھی دیتا ہے۔ اور خدا کرے جامعہ عثمانیہ اپنے فرض سے باحسن الوجوہ عہدہ براہو سکے۔

ہماری بے مائیگی سے اتنا بھی بہت ہے۔ کہ روزنامہ ستارہ صبح کے ذریعہ سے تاریخ و ادب اسلام کے دو ہی سلسلے قائم ہو سکیں۔ اور جن کو اس سمندر کی ضرورت ہے۔ انہیں لب تر کرنے کو ایک دریا بار قطرہ ہی میسر آسکے۔

پہلا سلسلہ جس کا عنوان ہم نے ”سلسلہ تاریخ اسلام“ تجویز کیا ہے خدا کا نام لے کر آج شروع کر دیا گیا ہے۔ دوسرا سلسلہ یہی ”سلسلہ ادبیات اسلام“ ہے کہ اس کی ذیل میں آپ کبھی عرب کے موتی بکھرے ہوئے دیکھیں گے اور کبھی عجم کے جواہر زواہر آپ کی نگاہ کو خیرہ کرینگے۔ کبھی ہندوستان کا لطیف ترین تخیل ماندہ سخن کا نمکدان بنا ہوا نظر آئے گا۔ کبھی ان جنون انگیز ہتھولوں کی بوباس سے آپ کا مشام جاں معطر ہوگا۔ جو مشاطہ اسلام نے اسپین و پرتگال و سارڈینیا و اطالیہ و رُڈس و بلغاریہ میں گوندھے تھے۔

دُعا کیجئے۔ کہ خدائے بزرگ و برتر ہمارے ہاتھ میں گلریز قلم دے۔ قلم میں بہار آفرین قدرت دے۔ اور اس قدرت کے خزانے آپ کے سر پر نثار کرے۔ رب الشرح لی صدی و

یسرلی امری واحلل عقدة من لسانی یفقھو قوی انک کنت بنا بصیرا۔

عرب

دورِ جاہلیت

عرب جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے ساتھ ہی کائنات کی وادیوں میں علم و حکمت کے دریا بہا دیئے۔ مائدہ ادب پر الوان نعمت کے بوقلموں خوان لگا دیئے۔ ذوق سلیم کی محفل میں معارف لطیفہ کی آفتاب نما شمع جلا دی۔ اپنی کان طینت کے اندر پہلے بھی بہت سے ناتراشیدہ الماس بہت سے اُن گھڑ جو اہرات رکھتا تھا۔ اور ادبیات عرب کی کوئی تاریخ کامل و مکمل نہیں ہو سکتی۔ جب تک ان جوہر پاروں پر تبصرہ کی روشنی نہ ڈالی جائے جو عرصہ جاہلیت کے گلے کا ہار ہیں۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب میں فن کتابت الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتا تھا۔ اور دماغ انسانی کے وہ افکار جن کی بداعت اور شکستگی کو بقاء پر کچھ حق تھا۔ سفینوں کی بجائے سینوں میں محفوظ رہتے تھے۔ کتاب کا کام اس غیر معمولی قوت حافظہ سے لیا جاتا تھا جس کے محر العقول کارناموں نے صد ہا سال کے مظلم دھند لکے کو خاورستان بنا رکھا تھا۔ اس قدیم عہد میں نثر کا تورواج نہ تھا۔ کہ وہ ارتقائے ادب کے مراتب اُخری سے تعلق رکھتی ہے۔ اور عرب کے بادیہ نشینوں نے ابھی تمدن میں اتنی ترقی نہ کی تھی۔ خیموں کے اندر الاؤ کے اُجالے اعراب بادیہ قصہ کہانیوں سے البتہ شغل رکھتے تھے اور ان کا ناثرانہ کمال داستان گوئی تک محدود تھا۔ لیکن یہ طویل و عریض داستانیں خواہ کیسی ہی رنگین اور ولآویز کیوں نہ ہوں راویوں کی زبانی سلسلہ در سلسلہ ہم تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی نظری نہیں ہو سکتی کہ عرب جاہلیت سے کسی قدر کلام منشور بھی ماثور ہے۔ جس کی صرف چار صورتیں ہیں۔

(۱) امثال۔ یعنی مختلف قسم کے واقعات پیش آنے پر جو مثلیں کہی گئیں کہ آج تک فصاحت و ایجاز کی جان سمجھتی جاتی ہیں امثال عرب کے مجموعے متعدد کتابوں میں مجتمع ہیں۔ جن میں زیادہ مشہور و مستند علامہ سیدانی کی کتاب الامثال ہے جس میں چھ ہزار سے زیادہ ضرب الامثال کا ذخیرہ فراہم ہے۔

(۲) حکم۔ یعنی وہ حکیمانہ کلام معقول جو حشو و زوائد سے پاک اور حق و صدق کا آئینہ دار ہوتا تھا۔

عرب جاہلیت ایسے جوامع الکلم کے لئے شہرہ آفاق تھے جن کتابوں میں ان کی حکمتیں جمع کی گئی ہیں ان سب کے نام بھی ”جوامع الکلم“ ہی ہیں۔

(۳) خطب۔ یعنی جنگ و حملہ و مہم دو خد و فخر و نزاع و مصیبت کے موقع پر جو تقریریں ہوتی تھیں یا درباروں میں یا مجمع عام میں جو خطبے دیئے جاتے تھے۔ ان کے اکثر نمونے مبروکی کتاب الکامل میں موجود ہیں۔

(۴) وصایا۔ یعنی خاص قسم کی تقریریں جو ایک مخصوص جماعت اور ایک مقصد مختص کے لئے ہوتی تھیں۔ ابن عبد ربیہ نے اس کے نمونے بھی دیئے ہیں۔

با ایں ہنہ نثر جاہلیت کے یہ نمونے کچھ ایسے بہت نہیں ہیں اور نہ بالا ستیاب ان کی حفاظت ہی ممکن تھی۔

نظم البتہ ایک ایسی چیز ہے جو اوزان و ترتیب الفاظ ترنم نما سانچے میں ڈھل کر ہر کہ و مدہ کی زبان پر بے اختیار جاری ہو جاتی ہے۔ اسی سے دل پسند اشعار کا دماغ میں محفوظ ہو جانا ایک قدرتی بات ہے اور جاہلیت کے کلام کا جو بہت بڑا حصہ جوں کا توں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے اس کا باعث دماغ انسانی کا یہی تدریجی ارتقا ہے۔

جاہلیت کے عالی پایہ تخیل نے ہمارے لئے وہ مشہور و معروف قصائد تر کہ میں چھوڑے ہیں۔ جنہیں سبع مقلقات کہا جاتا ہے ان یادگار زمانہ قصائد کی ترتیب و تالیف و تدوین کا شرف مورخین کی رائے میں بالا جماع جس شخص کو حاصل ہے۔ اس کا نام حماد راویہ ہے اور بے جا نہ ہوگا۔ اگر ہم اس مقام پر اس کے مختصر حالات سے اپنے ناظرین کرام کی ضیافت طبع کا سامان بہم پہنچائیں۔

حماد راویہ:

آٹھویں صدی عیسوی کے نصف اول کا زمانہ تھا۔ اور بنی امیہ سریر آرائے سلطنت اسلامیہ تھے۔ اسی سطوت اندوز عہد میں جبکہ شعر و شاعری کے گھر گھر چرچے تھے۔ ایک نہایت ہی حیرت انگیز دل و دماغ کا شخص حماد بن سائبور راویہ اسلام کی گود میں پرورش پا رہا تھا جو ”حماد راویہ“ کے لقب سے ممتاز ہے۔ اور یہ لقب اسے اس لئے دیا گیا ہے کہ قوح حافظہ میں اس عہد کا کوئی شخص اس کا جواب نہ تھا قدیم شعرا نے عرب کے ہزاروں ہی اشعار اس کی نوک زبان

تھے۔ اور کلام جاہلیت کے ضد ہا قصائد سے تمام و کمال از بر تھے۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حماد نے یزید بن عبد الملک اموی سے کہا۔ کہ میں حروف تہجی کے ہر حرف پر سو طویل قصائد جن کے قوافی ایک ہی حرف پر ٹوٹتے ہوں۔ فقط شعرائے جاہلیت کے کلام سے سنا سکتا ہوں۔ اور چھوٹی چھوٹی نظموں کا تو شمار ہی نہیں۔ یزید سمجھا کہ حماد محض تعالیٰ و خود سرائی سے کام لے رہا ہے اس لئے اس نے اس کے دعویٰ کی تصدیق کرنی چاہی۔ خود بیٹھ گیا کہ حماد کے دعویٰ کا جھوٹ سچ معلوم ہو جائے اس ایک نشست میں حماد راویہ نے دو ہزار نو سو قصائد جو سب کے سب زمانہ جاہلیت کے شعرا کے نتائج افکار تھے پڑھ کر سنائے۔ اور ولید سے ایک لاکھ درم انعام پایا۔

حماد عجمی نژاد تھا۔ اس کا باپ شاہ پور جو جنگ میں گرفتار ہوا تھا ویلمیوں کی اس مشہور نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ جس میں گیلان کے کوہستانیوں نے مدتوں عربوں کا مقابلہ کر کے اپنی حریت قائم رکھی تھی۔ اور بالآخر آل بویہ کے نام سے خلافت کے اقتدارات کو اس حد تک سلب کر لیا تھا کہ بغداد میں خلیفہ اسلام کا عہدہ محض ایک روحانی منصب رہ گیا تھا۔

حماد اگرچہ کوفہ میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس کی عجمی اصلیت پر اس کا عدیم النظر علم و فضل اور اس کی بے مثال زبان دانی پر وہ انداز ہوئی۔ اس لئے کہ بعض دفعہ وہ ایک آدھ جملہ محاورہ عرب کے خلاف ایسا کہہ جاتا تھا۔ جس پر زبان دانان عرب واجباً نکتہ چینی کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

اس عرصہ میں حکومت بدل چکی تھی۔ ہشام مسند سلطنت پر متمکن تھا اور اس کے پیشرو نے حماد کے ساتھ جو سلوک کیا تھا۔ اس کی وجہ سے حماد اس کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا تھا۔ اور یہ کھٹک بے وجہ نہ تھی۔ یزید جیسے تاجدار کے لئے جس نے اپنی عمر رنگ رلیاں منانے میں بسر کی ہو۔ اور حج کی نیت سے مکہ پہنچ کر پہلا ہی کام یہ کیا ہو کہ مکہ کے سب سے بڑے معنی یحییٰ المقلب بالفیل کو دعوت غنا و سرود دی ہو۔ گو ایک نشست کی قصیدہ خوانی کے صلہ میں بیت المال اسلامی میں سے ایک لاکھ درم اٹھا کر دے دینا جائز ہو سکتا تھا۔ لیکن ہشام کی پاسداری اسلام اور حفاظت حقوق امت مسلمہ ایسے لغو اسراف کو کیوں کر جائز رکھ سکتی تھی۔ بہر حال ہشام کا عتاب زیادہ دیر پا نہ تھا اور کچھ دنوں کے بعد حماد دمشق بلا لیا گیا۔

تاریخ بھی ایک عجیب نیرنگ نواز حقیقت ہے۔ ایک شخص شام تک چور اور اٹھائی گیر تھا۔ صبح کو جواٹھا تو اچھا خاصہ ادیب اور شاعر بن گیا۔ حماد کی زندگی اسی نرالی حقیقت کی تصویر ہے پہلے

اس کا پیشہ چوری تھا۔ لوگوں کو دم جھانسنے دیکر ان کا مال ہتیا لینا راہ چلتے کی آنکھ میں خاک جھونک کر اس کی جیب کتر لینا اس کا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ لیکن ایک دن جب آدھی رات کے وقت اس نے ایک شخص کو لوٹا۔ اور اس کی جیب میں اشرفیوں اور روپوں کے ساتھ ایک نظم بھی پائی تو حماد کی زندگی ہی بدل گئی۔ نظم کیا پڑھی خود بھی ناظم ہو گیا۔ اور شعر و ادب کے اتنے گنج شاگال دن رات کی دیدہ ریزیوں اور جگر کالیوں سے فراہم کئے کہ دنیا میں ایک زندہ دائرۃ العارف (انسائیکلو پیڈیا) کے نام سے مشہور ہو گیا۔

حماد کی وفات بروایت بعض اے اور بروایت بعض ۴۷۷ء میں ہوئی۔

ضرب المثل

عمر بھر کے مشاہدے اور تجربے کو زندگی کی کسی حقیقت کے متعلق ماقبل و اول چند صاف و سادہ الفاظ میں بلاغت کے ساتھ جمع کر دینے کا نام ضرب المثل ہے۔ اور اس فن میں اسی شخص کو دستگاہ کامل حاصل ہو سکتی ہے جس کا تجربہ نہایت طویل ہو۔ مشاہدہ نہایت عمیق ہو۔ نظر نہایت وسیع ہو۔ اور ان صفات سہ گانہ کے ساتھ کلام پر قدرت اور تخیل میں بلندی ہو۔ عربوں کو ابتداء ہی سے باوجود لکھے پڑھے نہ ہونے کے حکیمانہ تکلم کی اس صنف میں ایک امتیاز خاص حاصل تھا۔ شعر تو وہ ایسا کہتے ہی تھے جو سننے والے کے دل میں تجلی کی سی تڑپ پیدا کر دیتا۔ اور اس کے جذبات میں اپنی کیفیت نوعی کے لحاظ سے شدید ہيجان لے آتا۔ لیکن بارہا ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص کے منہ سے ایک جملہ نکلا ہے اور قوم کی زبان پر جاری ہو گیا ہے۔ اور یہی نہیں کہ صحرا کے اس غنچہ نود سیدہ کی طرح جو آفتاب کے نقطہ نصف النہار تک پہنچتے پہنچتے مرجھا جاتا ہو یہ قول بھی کچھ دن زبان زدِ خلأق رہ کر حوالہ نسیان و فراموشی ہو جاتا ہو۔ بلکہ کئی نسلوں کے گزر جانے پر بھی دانش و فرزانگی کے اس سکے کا چلن ویسا ہی معتبر رہتا تھا جیسا اول اول اعرابی نطق اور عدنانی فصاحت کی نکسال سے ڈھل کر نکلنے کے بعد۔

صدیاں گزر گئیں۔ زمانے بیت گئے۔ جاہلیت کا دور پرانا افسانہ ہو گیا۔ لیکن اس عہد کی ضرب المثلیں ابھی تک محفوظ چلی آتی ہیں اور اس کے تمدن پر روشنی ڈال رہی ہیں۔ جاہلیت کے کلام منظوم پر نظر انتقاد ڈالنے سے قبل ہم چند امثال پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ تاریخی سلسلہ جو باوجود طویل الذیل ہونے کے بے حد ایجاز و اختصار کا پہلو لئے ہوئے ہوگا تشنہ نہ رہ جائے۔

مثل کی ایک جامع و مانع تعریف ژرف نگاہان عرب نے ان الفاظ میں کی ہے۔ المثل عبارة عن تالیف لا حقیقت الہ فی الظاہرو قد ضمن باطنہ الحکم الشافیة۔
(مثل ایک ایسی تالیف کا نام ہے جس کی ظاہر میں تو کوئی حقیقت نہ ہو۔ مگر باطن میں شفا بخش حکمتوں پر مشتمل ہو) پھر اس مثل کی تین قسمیں کی ہیں۔ اول مفترضہ ممکنہ۔ دوم مختصرہ مستحیلہ۔ سوم مختلطہ۔

(۱) قسم اول میں یہ التزام ہے کہ جس بات یا جس کام کا اس سے تعلق ہو۔ وہ کسی ذی عقل سے منسوب کیا جائے۔

قسم ثانی کا لازمہ ہے۔ کہ اس میں جو باتیں کہی جائیں۔ وہ حیوانات و جمادات کی زبان سے کہی جائیں جن سے انسان کی ہدایت مقصود ہو۔

قسم ثالث میں جو باتیں ہوتی ہیں۔ وہ ناطق و غیر ناطق کے درمیان ہوتی ہیں۔
مثل کے لئے چار شرطیں ہیں۔

(۱) اس میں کوئی ایسی تعقید نہ ہو۔ جو سننے والے کے ذہن میں انتشار پیدا کر سکے۔

(۲) طویل اور ملال انگیز نہ ہو۔

(۳) سامع اس کی تازگی و طراوت سے خوش ہو جائے۔ ہزل کی بات سن کر اچھوتے

مطالب سے آگاہ ہو کر ان فکات سے خیال میں تشحیذ پیدا ہو۔ بنائی ہوئی بات سے عقل میں انضباط آئے اور مشکل حل ہو جائے۔

(۴) مثل کی صورت ایسی ہو۔ جس میں کئی احتمال پیدا ہوتے ہیں مثل کی ان تینوں قسموں اور چار شرطوں کے چند نظائر عنوان ذیل کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

”ان غداً الناظرہ قریب“

(ہے نظر سے منظر فردا قریب)

یہ دور جاہلیت کا ایک بہت ہی پرانا مقالہ ہے۔ اور سب سے اول ادب کی انگشتی میں حکیمانہ جامعیت کا یہ نگینہ جس نے جزاؤہ قراد بن اجدع تھا۔ جس نے نعمان بن منذر تاجدار حیرہ کا زمانہ پایا ہے کہ بظن غالب ۵۸۵ء سے ۶۰۷ء تک فرمانروا رہا۔ اس مثل کی شان تمثیلی بیان

کرنے سے پہلے ہم علامہ ابوالفرج اصفہانی کے حوالہ سے ایک واقعہ بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس کا ذہن نشین ہو جانا اس مثل کی تاریخی حیثیت جاننے کے لئے ضروری ہے۔

نعمان منذر عرب کے بُت پرستانہ تمدن میں ایک ناقابلِ رشک شہرت رکھتا ہے۔ شراب اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اس کی سیاہ مستانہ بادہ گساریوں کے افسانوں سے کتاب الاغانی کے صفحات کے صفحات بھرے پڑے ہیں ظالمانہ استبداد اس کا شیوہ خاص تھا۔ ایک ذرا سی بات پر بگڑ کر کسی شخص کو قتل کر دینا اس کا معمولی ہتھکنڈا تھا۔ خالد بن مصلل و عمرو بن مسعود اس کے دو مے آشام رفیق تھے جو محفل نائے ونوش میں اس کے برابر کے شریک تھے۔ ایک رات مجلس عیش و طرب حسب معمول برپا تھی اور نعمان ان دونوں مہبان بادہ پیمائے کے ساتھ بیٹھا ہوا جام پر جام خالی کر رہا تھا۔ کہ کسی بات پر دونوں دوستوں کی اس سے تکرار ہو گئی شراب کے نشہ میں ہوش و حواس تو بجا تھے ہی نہیں آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ عالم غضب میں حکم دیا۔ کہ دونوں کو اسی وقت زندہ گاڑ دیا جائے۔ وہاں کیا دیر تھی خدام خاص دونوں یاران سرپل کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین میں گاڑ دیئے۔ صبح جب نعمان کی آنکھ کھلی تو اگرچہ خمر و دشیں کا خمار تھوڑا بہت سر میں تھا لیکن عقل ایک حد تک ٹھکانے آچکی تھی رات کے واقعہ کو البتہ موج فراموشی بہا لے گئی تھی۔ اہالی و موالی سے پوچھا کہ خالد اور عمر کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ حضور وہ تو حسب الحکم رات ہی زمین میں زندہ گاڑ دیئے گئے تھے نعمان نے یہ سنتے ہی سر پیٹ لیا۔ متاع ہوش و حواس پر پشیمانی کی بجلی ہی تو گر پڑی۔ اور جزع فزع کرتا ہوا اپنے دوستوں کی قبر پر پہنچا۔ تلافی مافات کی اور کوئی شکل تو نکلتی مجال تھی البتہ دونوں قبروں پر اس نے دو مخروطی مینار بنوادیئے اور اس دن سے عہد کر لیا کہ سال میں دو دن دونوں گزرے ہوئے دوستوں کی یادگار کے لئے وقف کر دے گا دونوں دن وہ ہر ایک قبر پر جا کر ماتم کیا کرتا تھا۔ ان ایام دوگانہ میں سے ایک نام یوم البؤس تھا اور ایک کا یوم النعیم۔ یوم النعیم کو جو شخص اول اول اس کو ملتا تھا۔ اسے دو سو کالے اونٹ بخش دیتا تھا اور یوم البؤس کو جس شخص سے اول اول اس کی ٹڈ بھینٹ ہوتی۔ اسے ایک ظریبان یعنی کالی جنگلی بلی دے کر اس کی گردن مروادیتا۔ اور مینار ”غزین“ یعنی آہستہ بخوں کے نام سے موسوم ہو گئے تھے جن بد نصیبوں کے خون سے یہ مینار مدتوں ارغوانی ہوتے رہے ان میں عہد جاہلیت کے مشہور شاعر عبید بن الابرص کا بھی شمار ہے۔

اب ہم مثل زیر تنقید کی تاریخ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

نعمان بن منذر ایک دن اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کے قصد باہر نکلا۔ لاؤ لشکر ہمراہ تھا جنگل میں پہنچ کر ایک گورخر پر نظر پڑی جس نے شکاریوں کا ہجوم دیکھتے ہی فرار لے بھرنے شروع کئے۔ نعمان نے گھوڑا پیچھے ڈالا کہ وہ بھی ہوا سے باتیں کرتا جاتا تھا جو سوار ہر کاب تھے انہوں نے بہت تگ و دو کی لیکن اس کی گرد کو نہ پاسکے شکار تو خدا جانے کہاں کا کہاں نکل گیا لیکن نعمان جنگل میں اکیلا رہ گیا اور راستہ بھی بھول گیا دن بھر ادھر ادھر ٹاپتا پھرا مگر جنگل کی بھول بھلیاں سے نکلنے کی کوئی صورت نکال نہ سکا آفتاب بھی ڈھل چلا تھا اور بھائیں بھائیں کرتا ہوا ویرانہ شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں چھپ جائے کے قریب آ گیا۔ اتنے میں دور سے نعمان کو ایک خیمہ نظر آیا تھکے ہوئے گھوڑے کو ایڑ بتا کر وہ اس خیمہ کے قریب پہنچا اور صاحب خیمہ کو آواز دی۔ خیمہ میں بنوٹے کا ایک شخص حظلہ نامی اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا حظلہ نے جب ایک اجنبی کی آواز سنی تو باہر نکل آیا اور مسافر کو دیکھ کر پوچھا کہ کیا چاہتے ہو۔ نعمان نے کہا کہ جنگل میں راستہ بھول گیا ہوں اور رات گزارنا چاہتا ہوں اعراب بادیہ اپنی مہمان نوازی کے لئے شہرہ آفاق ہیں اور طے کا قبیلہ تو اس وصف میں امتیاز خاص رکھتا ہے مہمان کا نام پوچھے کچھ بغیر حظلہ نے اہلا و سہلا کہا اور گھوڑے کے دانہ چارہ کا انتظام کر کے مہمان کو خیمہ کے اندر لے گیا۔ حظلہ کے پاس اس وقت بجز ایک بکری کے جس کا دودھ اس کے خوان کی بہترین نعمت تھی اتفاق سے اور کچھ موجود نہ تھا بیوی کو الگ لیجا کر کہنے لگا کہ آج رات ہمارے ہاں یہ مہمان شب باش ہوتا ہے اور وضع قطع سے معزز معلوم ہوتا ہے اس کی خاطر مدارات اس کی حیثیت ہی کے لحاظ سے ہونی چاہئے۔ لیکن تم نے ابھی ابھی مجھ سے کہا تھا کہ گھر میں بھونی بھانگ تک موجود نہیں۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے گھر والی نے بھی بڑا دل پایا تھا کہنے لگی کہ بکری تو ہے ہی اسے ذبح کر ڈالو۔ کباب اس کے گوشت کے لئے جائیں گے کچھ گیہوں بھی ایسے ہی موقع کے لئے رکھ چھوڑے تھے آٹا پیس کر کچھ روٹیاں پکالوں گی غرض نان کباب سے نعمان کی تواضع کی گئی۔ اور وہ پیٹ گھر کر آرام سے سویا۔

صبح اٹھ کر نعمان نے اپنے عالی حوصلہ میزبانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور چلتے وقت کہنے لگا براور طائی میں بادشاہ نعمان ہوں تمہاری مہمان نوازی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں جو کچھ مانگنا ہو مانگ لو حظلہ نے کہا کہ خدا آپ کو خوش رکھے وہ وقت بھی کبھی آئے گا اگر کچھ مانگنا ہو گا تو انشاء اللہ اسی وقت مانگ لوں گا۔

حظلہ سے راستہ پوچھ کر نعمان تو اپنے دارالحکومت حیرہ کو چلا گیا اور حظلہ کے لئے کچھ

دنوں کے بعد یہ واقعہ خواب و خیال ہو گیا اس پر ایک زمانہ گزر گیا اور گردس لیل و نہار اپنا رنگ لائی دولت ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے آج کسی کی ہے تو کل کسی کی بے چارہ حنظلہ جو پہلے صاحب جاہ و حشمت تھا اب مفلوک الحال ہو گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ میاں بیوی کو کئی کئی دن فاتے سے گزر جاتے تھے اسی عالمِ عمرت میں ایک دن بیوی نے میاں سے کہا کہ بادشاہ حیرہ نے تم سے حسن سلوک وعدہ کیا تھا کیوں نہیں دربار میں جا کر بادشاہ کو وہ وعدہ یاد دلاتے کہ ہماری یہ پیتا دور ہو۔ یہ بات حنظلہ کی بھی سمجھ میں آگئی۔ اور گھر سے نکل کر سیدھے حیرہ کی راہ لی۔

قضا کار یہ دن نعمان کا یومِ بوس تھا۔ حنظلہ پہلا وہ شخص تھا جس پر آج نعمان کی نظر پڑی نعمان نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور کہا تم وہی طائی تو نہیں جس کے گھر میں ایک رات میں شب باش ہوا تھا۔ حنظلہ نے کہا کہ ہاں میں وہی طائی ہوں۔ اور حضور میرے ہی یہاں فروکش ہوئے تھے نعمان نے یہ لہجہ تاسف جواب دیا کہ تم اس دن کے علاوہ کسی اور دن مجھ سے آکر کیوں نہیں ملے اس بیچارے کو اس واقعہ کا کیا علم تھا کہنے لگا کہ مجھے اس کی مطلق خبر نہ تھی نعمان نے جواب دیا کہ آج کا ڈراؤنا دن وہ دن ہے کہ اگر اوّل اوّل میں اپنے بیٹے کو بھی دیکھ پاؤں تو اس کے قتل سے بھی مجھے کوئی طاقت نہ روک سکے بہر حال جو تمہیں سوال کرنا ہے کرو۔ اور منہ مانگی مراد پا لو۔ لیکن اپنے آپ کو مقتول سمجھو۔ حنظلہ کہنے لگا کہ زخارفِ دنیوی کو لے کر میں کیا چاٹوں گا جبکہ میری جان ہی کی امان نہیں نعمان نے کہا اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں تمہارا قتل ہو جانا اٹل ہے حنظلہ نے جواب دیا کہ اگر میری قسمت میں یہی لکھا ہے تو میں اس پر شاکر ہوں لیکن آپ سے اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ مجھے ایک دفعہ گھر ہونے دیجئے تاکہ میں اپنے اہل و عیال سے مل لوں۔ اور جو کچھ وصیت کرنی ہے کر آؤں ان کی طرف سے مطمئن ہو کر میں پھر آپ کے پاس واپس آ جاؤں گا۔ نعمان نے کہا کہ مجھے تمہاری یہ خواہش منظور ہے۔ بشرطیکہ کسی کو اپنا ضامن چھوڑتے جاؤ اس وقت نعمان کے درباریوں میں قبیلہ بنی شیبان کا ایک شخص شریک بن عمرو بن قیس موجود تھا۔ اس کی کنیت ابو الحوفز ان تھی۔ اور وہ نعمان کا صاحبِ الردافہ (چادر بزار) تھا۔ حنظلہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور نظم میں اس سے یوں خطاب کیا۔

هل من الموت محاله
کیا موت سے رستگار بھی ممکن ہے
یا احمامن لا احماله

یا شریکاً یا ابن عمرو
اے شریک اے عمرو کے بیٹے
یا احماکل مفراف

اے وہ کہ تو ہر اس شخص کا بھائی ہے جو تجھ سے تعلق پیدا کرے اور جس کے کوئی عزیز واقارب نہ ہو۔ تو اس کا عزیز واقارب ہے۔

يا احوال نعمان فك اليوم صفا قد اتى له

اے نعمان کے بھائی آج تو ایسے شخص کو نجات دلا جو نعمان کا مہمان ہو کر آیا تھا۔

ظالم ما عالج كرب الموت لا يُنعمُ باله

وہ کب سے موت کی سختیاں برداشت کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے دل کو قرار نہیں۔

پتھر کا دل بھی ہوتا تو اس دردناک التجا کو سن کر متاثر ہو جاتا لیکن نعمان کا صاحب الروافہ کسی اور ہی مٹی کا بنا ہوا تھا۔ صاف انکار کر دیا کہ میں تمہارا کفیل نہیں ہو سکتا لیکن ہر شخص ابو الحوفزان ہی نہ تھا پاس ہی ایک خدا کا بندہ قراد بن اجدع بھی کھڑا تھا جسے قبیلہ بنی کلب سے نسبت تھی آگے بڑھ کر نعمان سے کہنے لگا کہ میں حظلہ کی ضمانت دیتا ہوں اگر وقت مقررہ پر نہ لوٹے تو میری گردن اس کی جگہ حاضر ہے۔ نعمان نے ایسے بڑے یرغمال کے موجود ہوتے ہوئے مزید حجت نہ کی اور حظلہ کو پانچ سواونٹ دے کر ایک سال کی مہلت پر گھر جانے کی اجازت دی۔ اور اس کے ضامن کو صاف جتا دیا کہ اگر یہ سال بھر کے بعد اسی دن حاضر نہ ہو تو تمہاری خیر نہیں۔

اس واقعہ کو ایک سال گزر گیا اور نعمان کے یوم البؤس کو صرف ایک ہی دن رہ گیا۔ نعمان اس شبہ میں زمانہ کی روش اور فطرت انسانی کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے حق بجانب تھا کہ حظلہ کبھی اپنا وعدہ وفانہ کرے گا چنانچہ اس دن کی شام کو جس کی اگلی صبح یوم البؤس کی خون چکاں مہیتیں اپنے ساتھ لانے والی تھی۔ نعمان نے قراد سے کہا ما اراک الا ہالکا غداً یعنی تو مجھے اس طرح نظر آرہا ہے کہ کل ہلاک ہو جائے گا۔ قراد نے چھوٹے ہی جواب دیا۔

فان ياك صد ر هذا ليومہ ولي فان غدا الناظرہ قريب

بام سے گر پھینک دے امروز طشت ہے نظر سے منظر فردا قریب

اس شعر کا یہی دوسرا مصرعہ ہے جو آج تک ضرب المثل چلا آتا ہے۔

مثل کی تاریخ تو پوری ہو گئی۔ لیکن ناظرین چاہنا چاہتے ہوں گے کہ قراد بن اجدع کے ایثار و فدویت اور حظلہ کے وعدے کی شان ایفا کا خاتمہ کس طریق پر ہوا۔ اس لئے اس حکایت لذیذ کو ہم دراز تر کرتے ہیں۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی نعمان بن منذر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے خیل و حشم کے

ساتھ حسب معمول ”غریب“ کی طرف روانہ ہوا۔ اور دونوں مناروں کے درمیان پہنچ کر ٹھہر گیا بے چارے قراد کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ نعمان نے حکم دیا۔ کہ اسے قتل کیا جائے لیکن وزراء نے عرض کی کہ اس کے قتل میں جلدی نہ کیجئے۔ ابھی تو دن چڑھا ہی ہے۔ کیا عجب ہے کہ حظلہ ایفائے عہد کرے اور شام ہونے سے پہلے آپہنچے۔ نعمان اگر چہ ظالم تھا لیکن میزبان نوازی کی وہ خواہش جو ایک احسان مند عرب کا سب سے بڑا وصف ہے اس رات کی یاد میں جو اس نے طائی خیمہ کے اندر جنگل میں گزاری تھی رہ رہ کے اس کے دل میں چٹکیاں لیتی تھی وہ نہ چاہتا تھا کہ حظلہ قتل ہو۔ اسی لئے یوم البؤس کی بھینٹ وہ قراد ہی کے سر کو بنانا چاہتا تھا۔ اور اس کے قتل میں جلدی کرتا تھا لیکن وزراء کا اصرار بھی ایسا نہ تھا کہ ٹل سکے بادل نا خواستہ اس نے قراد کے قتل کو شام تک ملتوی کر دیا۔

آفتاب کائنات کی مسافت کو طے کرتا ہوا آخر اتق کی مغربی منزل میں پہنچا لیکن ابھی تک حظلہ کا کہیں پتہ نہ تھا نطع یعنی وہ مدور زمین بساط جس پر خونوں کی گردن ماری جاتی ہے بچھی ہوئی تھی قراد صرف ایک تہہ باندھے قتل ہونے کے لئے تیار اس پر کھڑا تھا جلاو کے تیغہ کی برش رگ گلو سے ہم زبان ہونے کے لئے منتظر تھی مجرم کے خویش واقارب غم کی تصویر بنے کھڑے تھے اور اس کی بیوی دردناک لے میں یہ بین کر رہی تھی۔

رہینا لقتل لا رہینا مودعا
یہ یرغمال قتل ہے کب واگزار ہو
فامسی اسیرا حاضر البیت اضرع
بے چارگی کی موت سے کس کو فرار ہو

ایا عین بنکی لی قراد بن اجدعا
اجدع کے غم میں اے مری آنکھ اسکبار ہو
اتہ المنایا بغتة دون قومہ
آئی اسی کو مرگ مفاجات قوم میں

اس عالم کرب و بلا میں ایک شخص دور سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ قریب تھا کہ جلاو کا تیغہ قراد کی گردن پر گرے۔ حاضرین یک زبان ہو کر بولے کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ جو شخص آرہا ہے کون ہے جلاو کو چاہئے کہ اپنا ہاتھ روکے رکھے۔ نعمان نے اشارہ کیا۔ اور جلاو ٹھہر گیا اتنے میں وہ شخص قریب آگیا۔ دیکھا تو وہ طائی تھا نعمان نے جب اسے دیکھا تو اس کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا اور کہا کہ کیا چیز تھی جو تجھے واپس لائی حظلہ نے جو جواب دیا وہ اس زمانہ کی عزیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے کہنے لگا کہ مجھے پاس عہد کشاں کشاں موت کی طرف لے آیا نعمان نے حیران ہو کر پوچھا کہ وہ قوت کیا تھی جس نے تجھے پاس عہد پر برا بیختہ کیا حظلہ نے کہا کہ وہ قوت

میرا دین ہے۔

حظلمہ کی اس بات کا نعمان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اسی وقت قراد اور حظلمہ کا خون تو معاف کر دیا اور یوم بوس و یوم نعیم کی یادگار منانی بھی چھوڑ دی۔ ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ ”غرین“ کو پیوند زمین کر دیا جائے اب اس دن سے اس کی زندگی ہی بدل گئی وہ بے اختیار پکارا اٹھا۔

والله ما ادري ايهما ادنى واكرم؟ اهذالذی نجامن القتل فعاد امالذی ضمنه؟ والله لا

اكون الام الثلاثة.

خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں زیادہ با وفا اور بڑا شریف کون ہے وہ جو قتل سے بچ گیا تھا مگر پھر قتل ہونے کے لئے واپس آیا یا وہ جس نے اپنی جان کی ضمانت دی تھی خدا کی قسم میں ان دونوں شریفوں میں تیسرا ملیم و رذیل بننا نہیں چاہتا۔

روما و کارنج اور عرب کا موازنہ

جس عربی مثل کی تاریخ ہم نے بیان کی ہے اس سے جو سبق حاصل ہوتا ہے۔ وہ نا تمام رہ جائیگا۔ اگر ہم روم و متہ الکبریٰ کے شاندار ترین عہد کا ایک واقعہ برسیل تقابل پیش کر کے یہ نہ بتائیں کہ بت پرست اور غیر مہذب عرب اپنی فطرت کے اندر حق پسندی کا ایک چمکتا ہوا جوہر شروع ہی میں ایسا رکھتا تھا جس پر رومان اور یونان اور کارنج کے تمدنی خزانے تبار کئے جاسکتے ہیں یہ واقعہ نعمان بن منذر کے عہد سے ۸۵ سال پہلے کا ہے جبکہ روما اور کارنج ایک جاں ستاں آویزش میں مصروف تھے اور رومانے اپنے جی میں ٹھان لی تھی کہ کارنج کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے رومانی جرنیل رگیولس مارکس ایلپیس تین سو تیس جہازوں کا بیڑا لے کر ۳۵۶ قبل مسیح میں افریقیہ پر حملہ آور ہوا۔ اور کارنج والوں کے ایک جرار بیڑے کو جو امیر البحر ہلکار کے زیر حکم تھا شکست دے کر افریقیہ میں فوجیں اتار دیں رگیولس کا شریک کار ایک اور مشہور رومانی جرنیل ”مین لی ایس ولسولانکس“ تھا جس نے اس مہم میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ افریقیہ میں فوجیں اتارنے کے بعد دونوں جرنیلوں نے پہلے شہر ”کاپییا“ کو سر کیا اور اسے اپنا صدر مقام قرار دے کر دولت کارنج کا تمام علاقہ حوالہ تیغ و آتش کرنا شروع کیا۔

موسم زمستان کے قریب آنے پر حکومت رومانے غیر مال اندیشی کی راہ سے آدھی افریقی

فوج واپس بلالی۔ اور بقیہ نصف کورگیولس کے زیر کمان ساری مہم سر کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ کارٹھج نے بسرکردگی ”ہملکار“ و ”بوستار“ ایک زبردست فوج حملہ آوروں کے مقابلہ کے لئے تیار کی تھی۔ اور فیلان کوہ پیکر کی کئی مہیب قطاروں کے علاوہ ہزار ہا سواروں کے متعدد جرارد سے مرتب کئے تھے۔ دونوں فوجیں جب آمنے سامنے ہوئیں تو مدتوں کی رقابت نے ایک ہی فیصلہ کن تصادم میں اپنے ارمان نکال لئے گھمسان کارن پڑا کشتوں کے پستے لگ گئے اور آخر رومائی شجاعت جس کی سپہ گری اور شان کو نظم و ترتیب نے استوار کر رکھا تھا غالب آئی پندرہ ہزار کارٹھج والے کھیت رہے اور پانچ سو قیدی اٹھارہ زنجیر فیل کے ساتھ رگیولس کے ہاتھ آئے۔

اس شاندار فتح نے رگیولس کے حوصلے بہت کچھ بڑھادیئے۔ اور وہ یلغار کرتا ہوا پایہ تخت کارٹھج سے بیس میل کے فاصلہ پر پہنچ گیا۔ دولت کارٹھج کو اگر رومابی سے نمٹ لینا ہوتا تو وہ کبھی جی چھوڑ نہ بیٹھتی لیکن شومی قسمت سے اس کے ایک صوبہ ”نیومیدیا“ میں آتش بغاوت مشتعل تھی اور اسے یہ آگ بھی ساتھ ہی ساتھ فرو کرنی تھی۔ اس لئے اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ روماء سے صلح کر لے۔

رگیولس ایک جری سپاہ سالار تو تھا۔ لیکن ایک نکتہ رس مدبر نہ تھا دولت کارٹھج کی طرف سے جب نامہ پیام کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو مدبرانہ کسر و انکسار سے کام لینے کی بجائے رگیولس نے فاتحانہ غرور اور وہ بھی رومائی غرور کو اپنا شعار بنایا۔ اور صلح کے وفد سے بہ کمال رعونت کہا کہ تم لوگوں کی امان کی طرف یہ شکل ہے کہ ہتھیار ڈال دو۔ اور بلا شرط اطاعت قبول کرو۔

کارٹھج اگر چہ دب گیا تھا۔ مگر ابھی تک پرانی آن بان قائم تھی اور اب بھی اس راکھ میں تھوڑے سے شررد بے ہوئے تھے۔ کارٹھج کی سطوت کی بجلی جو ہزیمیت کے ابر میں تھوڑی دیر کے لئے غائب ہو گئی تھی نائرہ غضب بن کر کوندی اور بساط جنگ پھر سے نئے خونریزانہ اشتداد کے ساتھ بچھادی گئی۔ تقدیر کچھ یونانی سرفروشوں کو جن کی شجاعت ان دنوں سونے چاندی کے عوض خریدی جاسکتی تھی کارٹھج لے آئی تھی۔ اور ان کا سرگروہ ”زن تھا بس“ جو ایک مقدونی سپاہی تھا۔ فنون سپہ گری میں سرآمد روزگار تھا۔ کارٹھج کی فوج اس کے حوالہ کی گئی۔ اور اس نے جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ کارٹھج کی دیواروں کے نیچے حریفوں کا مقابلہ ہوا۔ اور رگیولس کی فتح شکست سے مبدل ہو گئی۔ تیس ہزار رومائی اس خوفناک لڑائی میں کام آئے۔ اور رگیولس گرفتار کر لیا گیا رومن فوج میں سے صرف دو ہزار سپاہی بچے۔ جو بحال تباہ سر پر پاؤں رکھ کر کلا پچھا پہنچے۔ یہ واقعہ

عظمیٰ ۲۵۵ قبل مسیح کا ہے۔

رگیولس پانچ سال تک کارتھج میں قید رہا۔ اس عرصہ میں چرخ نیلوفر کی ایک اور گردش نے فتح و نصرت کا پلہ رومانیوں کی طرف جھکا دیا۔ اور زومائی جرنیل مٹیلیس نے کارتھج کی فوج کو ایک سخت شکست دے کر دولت کارتھج کو پھر مائل بہ آشتی کر دیا تھا۔ جس نے ایک مصالحانہ وفد ہملکار اور بوستار کی سرکردگی میں رومتہ الکبریٰ روانہ کیا۔ اس وفد کے ہمراہ رگیولس بھی بھیجا گیا تا کہ اپنے اثر سے حکومت روم کو صلح پر مائل کرے۔ اور معاہدہ کی شرائط جہاں تک حالات اجازت دیں بحق کارتھج طے کرادے۔

روانگی سے پہلے رگیولس سے عہد لیا گیا تھا۔ کہ اگر صلح نہ ہو تو واپس کارتھج آجائے اور اس نے باحلف وعدہ کیا تھا کہ اپنے عہد کا پابند رہے گا۔

روما پہنچ کر جب ارکان حکومت کے اجلاس میں ہملکار و بوستار کی جانب سے شرائط صلح پیش ہوئیں۔ تو بجائے اس کے کہ رگیولس ان کی ہاں میں ہاں ملاتا۔ اس کی حب وطنی اور غیرت ملی ذاتی اغراض پر غالب آگئی اور اس نے حکومت کو بہ تاکید تمام جنگ جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ اور یہ مشورہ دیا بہ طیب خاطر قبول کر لیا گیا۔

اسی فیصلہ کے لحاظ سے ہملکار اور بوستار قید کر کے روم میں رکھ لئے گئے۔ خیال ہو سکتا تھا کہ رگیولس اپنی قسم کو جو دشمن نے بحالت اسیری اس سے لی تھی۔ توڑ کر پھر زندان میں واپس جانا گوارا نہ کرے گا لیکن یہاں ہمیں شرافت انسانی ایک تاریک بُت پرست دنیا کے اندر اپنی اصلی شکل میں چمکتی ہوئی نظر آتی ہے حکومت روم ماصر ہوئی کہ رگیولس کارتھج کو نہ جائے۔ خود رگیولس کے بیوی بچوں اور خویش واقارب نے روم کو منتیں کیں۔ کہ ایک باعزت زندگی کی خوشیاں چھوڑ کر وہ بے آبروئی کی موت کے منہ کا نوالہ نہ بنے۔ لیکن رگیولس حقارت کی ہنسی ہنسا اور کہنے لگا کہ کیا اس میں عزت ہے کہ میں اپنے قول سے پھروں۔ اور گو طرح طرح کے عذاب دے کر مار ڈالا جاؤں۔ لیکن دنیا میں نام چھوڑ جاؤں اور زندہ جاوید ہو جاؤں۔

اس شریفانہ عزم کے ساتھ اپنے اہل و عیال اور اپنے تمام ہموطنوں کو ماتم کرتا ہوا چھوڑ کر رگیولس نے اطالیہ کے ساحل سے ہمیشہ کے لئے لنگر اٹھایا۔ اور کارتھج جا پہنچا۔ کارتھج والوں کو جب کل واقعہ کا علم ہوا۔ تو ان کے غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے اپنے بیکس مگر شریف النفس قیدی کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کا اسے خطرہ تھا۔ یعنی سخت جان گزاعذاب دے

دے کر اُسے ہلاک کیا۔ اس وحشیانہ سلوک کی خبر جب روما پہنچی تو حکومتِ روما کی آتش انتقام بھی برافروختہ ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ہملکار اور بوستار ریگولس کے خاندان کے حوالہ کئے گئے۔ اوزان دونوں نے بھی وحشیانہ عذاب میں گرفتار ہو کر تڑپ تڑپ کے جان دی۔

اس واقعہ کا نعمان و حظلہ و قراد کے واقعہ سے مقابلہ کیجئے۔ اور پھر دیکھئے کہ شرافتِ نفس کا حقیقی آئینہ دار کون ہے۔ روما و کارتھج یا عرب؟

روما کے حیرت انگیز تمدنِ کارتھج کی شان دار تہذیب کے افسانوں سے تاریخِ مغرب کے ورق کے ورق بھرے پڑے ہیں لیکن ان دولتوں کی متفقہ تہذیبِ ریگولس کی جان نہ بچا سکی۔ کہ وفائے عہد و پاسِ پیمان کی خاطر وہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر کارتھج آتا ہے مگر کارتھج کی شائستگی اس شرفِ نفس کی یہ قدر کرتی ہے کہ اس کا سر بحوالہ شمشیر کیا جاتا ہے۔ پھر روما اس کا انتقام لیتا ہے تو ہملکار و بوستار سے لیتا ہے جن کا خود کوئی قصور نہ تھا لیکن اس کے مقابل عرب کی یہ حالت تھی کہ ایک ظالم ترین بادشاہ ایک جفا پیشہ ستمگار کو بھی پاسِ عہد کی اتنی رعایت منظور ہے۔ اور جس تہذیب کی وہ ایسی قدر کرتا ہے کہ اپنی عادت بدل ڈالتا ہے مگر اپنے مجرموں پر آنچ نہیں آنے دیتا۔ عربِ قدیم کی یہی شرافت تھی جس کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص انداز میں ایما فرمایا تھا کہ خیار کم فی الجاہلیۃ خیار کم فی الاسلام۔ تم میں سے جو لوگ عہدِ جاہلیت میں اچھے تھے۔ اسلام نے انہیں اور بھی اچھا بنا دیا۔

امثال

(۲)

إِنَّ أَخَاكَ مَنْ السَّاكِ

(حقیقت میں تیرا بھائی وہ ہے۔ جو اپنے اوپر تجھ کو ترجیح دے)

حکیم شیراز گلستاں میں کہتے ہیں۔

دوست	آں	باشد کہ	گیر دوست	دوست
در پر	یشاں	حسالی	ودر ماندگی	
دوست	مشار	آں	کہ	ور نعمت زند

لاف یاری و برادر خواندگی

یہ کس قدر سچی حقیقت ہے۔ اور زندگی کا کیسا صحیح فلسفہ ہے اچھے وقتوں کا سب کوئی ساتھی ہوتا ہے۔ لیکن مصیبت میں کتنے ہیں جو ساتھ دیتے ہیں۔ شاید ایک بھی نہ ہو۔ ورنہ یہ کیوں کہا جاتا۔ کہ

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے

کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

سعدی کو اس صداقت کے اظہار کے لئے باوصف اس انتہائی بلاغت کے جس میں انہیں خاص امتیاز حاصل ہے۔ ایک نہ دو اکٹھے چار مصرعے کہنے پڑے لیکن خزیم بن نوفل الہمدانی نے اسی سچائی کو چار لفظوں میں ادا کر دیا۔ ان احاک من اساک یعنی حقیقت میں تیرا بھائی وہی ہے جو تیری اغراض کو اپنی اغراض پر مقدم رکھے اپنی جان سے تیری جان کو عزیز جانے۔ اور آڑے وقت اس طرح تیرے کام آئے۔ کہ خود اپنے کام بھی اس طرح نہ آتا ہو۔

ضرب المثلیں اس طرح تیار نہیں کی جاتیں۔ کہ ایک حجرہ میں قلم دوات لے کر بیٹھ گئے

اور دماغ پر زور ڈال کر ایک دل خوش کن جملہ تصنیف کر دیا۔ بلکہ جس طرح جھکڑ کے چلنے کالی

گھٹاؤں کے اٹھنے اور بجلی کے کوندنے کے بعد قطرہ باراں پہنائے دریا پر گرتا ہے اور تخیل قدیم کے

رُوسے شکمِ صدف میں پرورش پا کر لولوئے شاہوار بن جاتا ہے۔ اسی طرح امتحان گاہ حیات کی

کٹھن وادیوں میں مشتتیں اٹھانے اور کڑیاں جھیلنے کے بعد منہ سے دفعۃً وختۃً کوئی ایسا جملہ نکل

جاتا ہے جو زندگی کے تجربہ کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اور پھر وہی جملہ ادب کے گنجِ شاہگاں میں داخل ہو کر

عروسِ معنی کے بنا گوش کا آویزہ بن جاتا ہے۔

ضرب المثل زیر تنقید کی ابتدا بھی یوں ہی ہوئی تھی۔ عرب قدیم میں ایک شخص گزرا ہے

جس کا نام نعمان بن ثواب العبدی تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ سعد، سعید، ساعدہ۔ نعمان اپنے

اقران و امثال میں شرف و مجد اور دانش و فرزانگی کے لحاظ سے سربر آوردہ تھا۔ از بس کہ عمر بہت بڑی

پائی تھی۔ اس کی بات سب مانتے تھے اور اس کے پند و موعظہ کے آگے بڑے بڑے فرزانوں کا سر

جھکتا تھا پر باغ پر برف کی بارش ہوتے ہوئے جب کئی سال گزر چکے۔ تو باغ پر خزاں آئی بڑھے

باپ نے اپنے تینوں جوان بیٹوں کو بستر مرگ پر بلایا۔ اور چلتے چلتے کچھ وصیتیں کیں جن کا ایک

ایک حرفِ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

تینوں بھائیوں میں سعد اپنی بے مثل شجاعت کے لحاظ سے مشہور تھا عرب کے سوراؤں میں کوئی اس کی ٹکر کا نہ تھا۔ کبھی ایسا اتفاق پیش نہ آیا کہ اس کے مقابلہ پر کوئی آیا ہو۔ اور اس پر غالب رہا ہو کبھی یہ بات سننے میں نہ آئی کہ اس نے میدان نبرد میں تلوار نیام سے کھینچی ہو اور اپنے حریف کو پیٹھ دکھائی ہو۔ دوسرا بھائی سعید عظمت مراتب و جلالت قدر میں اپنے باپ کا مماثل تھا اور نعمان کے تمام اوصاف اس کی ذات حمیدہ میں جمع تھے لیکن سب سے چھوٹے بھائی ساعدہ نے لا ابالی مزاج پایا تھا۔ شراہیں پیتا تھا اور رنگین مزاج احباب کی صحبت میں دن رات عیش و عشرت سے بسر کیا کرتا تھا۔

نعمان نے سب سے اول سعد کو بلایا۔ اور اس سے کہا۔ کہ بیٹا میں تو اس دنیا سے رخصت ہوتا ہوں چلتے چلتے میری ایک آدھ نصیحت کان میں ڈال لو۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ تلوار خواہ اس کی باڑھ کیسی ہی تیز کیوں نہ ہو کند بھی ہو جایا کرتی ہے گھوڑا خواہ وہ کتنا ہی ثابت قدم کیوں نہ ہو کبھی کبھی ناخن بھی لیا کرتا ہے نقش خواہ کس درجہ ہی شوخ کیوں نہ ہو ہٹ بھی جایا کرتا ہے اس لئے اگر تم زرہ بکتر لگا کر اوپچی بنے ہوئے جنگ کے دنگل میں اترو جہاں یہ حالت ہو رہی ہو کہ چاروں طرف سے شعلہ دار و گیر لپک رہا ہو بڑے بڑے سورا مالرز رہے ہوں۔ نا تو اس غلیہ پار ہے ہوں۔ اور دل کے لودے بھی جرأت کی پھریری لے رہے ہوں تو ایسے وقت میں مصلحت اسی میں ہے کہ دیر و درنگ و را بھی نہ کرو۔ اور اپنے حریف کو ہرگز یہ موقع نہ دو کہ وہ تمہیں نیچا دکھاسکے موقع آن پڑے تو پیٹھ دکھانے میں بھی عار نہ سمجھو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ایسی روگردانی عام مصالحو پر مبنی ہو۔ انتقام لینا ہو۔ تو کسی حالت میں راہ فرار اختیار نہ کرو کہ کامیابی اسی کے لئے مقدر ہوتی ہے جو مہتمم ہو مدافعت میں نہ پڑو بلکہ ہمیشہ جارحانہ پہلو ملحوظ رکھو۔ سعد کے بعد بچھلے بیٹے سعید کی باری آئی۔ اس کو نعمان نے ان الفاظ میں وصیت کی۔

مرد سخی کے لئے بخل سزاوار نہیں۔ متاع کہنہ و نو جو کچھ بھی ہو۔ اسے صرف کر ڈالو۔ حاجت مند کو لیت و لعل میں نہ ٹالو تا کہ دنیا میں تمہاری جو انمردی کا شہرہ ہو۔ تم کو ہمیشہ اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرنا چاہئے کسی دوسرے پر اعتماد کرنا شیوہ احتیاط نہیں۔ اس امتحان میں بہت کم لوگ پورے اترتے ہیں تم اپنے بھائیوں کو بھی آزماؤ گے تو دیکھ لو گے کہ قول کے سچے اور بات کے پورے اور دھن کے پکے ان میں گنتی ہی کے ہوں گے۔ بھلائی ہمیشہ کرو لیکن ان کے ساتھ جو اس کے اہل ہوں۔

سعید یہ قیمتی نصیحت سن کر چلا گیا اور سب سے آخر میں ساعدہ آیا جو شراب و کباب و چنگ و رباب کا رسیا تھا۔ باپ نے اس سے کہا۔

جان پدر! شراب خری بڑی بُری چیز ہے جو شخص کثرت سے شراب پیتا ہے اور خم پر خم لٹڈھائے چلا جاتا ہے۔ اس کے قلب میں مادہ فساد پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی روزی گھٹ جاتی ہے اپنے یاروں دوستوں کو بھی اچھی طرح پرکھ لیا کرو یہ لوگ شہد کی مکھیاں کی طرح جب تک تمہارا دسترخوان وسیع ہے ان کا تمہارے گرد جمع ہوگا لیکن جب تمہارا ہاتھ کشادہ نہ ہوگا تو تمہیں ان کی صورت بھی نظر نہ آئے گی۔ ایک بات اور سن لو اپنے اہل بیت کی حمایت تم پر فرض ہے اپنے مد مقابل کی اعانت کا خیال رکھو اور سوبات کی ایک بات یہ ہے کہ تمہیں ہر بات میں میانہ روی اختیار کرنی چاہئے۔ کہ اسی سے تم کامیاب رہ سکتے ہو۔

بیٹوں کو یہ وصیتیں کر کے نعمان نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور جب اس کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہو چکی تو سب سے اول منجھلے بیٹے سعید کو یہ خیال پیدا ہوا کہ باپ کی وصیت پر عمل کرے اور اپنے دوستوں اور بھائیوں کو آزمائے یہ بات جی میں ٹھان کر اس نے ایک مینڈھا ذبح کیا اور اسے اٹھا کر اپنے خیمہ کے ایک گوشہ میں لے گیا۔ جہاں اس نے اسے ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا اس حیلہ سے فارغ ہو کر اس نے اپنے بعض معتمد علیہ دوستوں میں سے ایک کو بلایا اور کہا کہ بھائی جان! آج ایک بڑی مصیبت آپڑی ہے آپ پر میرے بڑے بڑے حقوق ہیں یقین ہے کہ اس آڑے وقت میں آپ میرے کام آئیں گے۔ دوست نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں میں دل و جان سے خدمت کو حاضر ہوں مگر فرمائیے تو وہ کونسی ایسی افتادناگہانی ہے جو آپ پر آپڑی ہے سعید نے جواب دیا۔ کہ بات اصل میں یوں ہے کہ میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے وہ دیکھو خیمہ کے گوشہ میں اس کی لاش کپڑے سے ڈھکی پڑی ہے جب تک میں اس لاش کو ٹھکانے نہ لگا دوں میں خطرہ سے محفوظ نہیں اس میں تمہاری مدد چاہتا ہوں کہ ہم دونوں مل کر لاش کو لے جائیں اور کہیں چھپا دیں۔ دوست نے یہ سنتے ہی ہاتھ کانوں پر دھرے اور کہا کہ حضرت بس مجھے معاف کیجئے بندہ آپ کی گوں کا نہیں۔ یہ کہہ کر دوست صاحب تو چپیت ہو گئے۔ اور سعید نے خیمہ سے نکل کر ایک اور پرانے لنگوٹے سے اپنی حاجت بیان کی۔ کہ یہ حضرت رفاقت و اخوت کے بڑے لائے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے لیکن جب سعید اپنی کہانی الف ابجد سے لے کر تائے تمت تک ختم کر چکا۔ تو ان دوسرے بھائی صاحب نے آنکھیں نکال کر اس لہجہ میں کہ گویا آپ ابا عن جد

معصوم من الخطا چلے آتے ہیں۔ فرمایا کہ خوب آپ بھائی چارے کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایک بیگناہ کے قتل پر پردہ ڈال کر آپ کا مدد و معاون بنوں نا صاحب مجھ سے ایسی ناشدنی حرکت کی توقع ہرگز نہ رکھئے۔ اس دوسرے دوست سے بھی ٹکا سا جواب سن کر سعید نے اسی طرح بہت سے دوستوں سے التجا کی۔ اور سب کی جانب سے ایسے ہی جواب ملتے رہے۔ اور نقش وفا کہیں بھی وجہ تسلی نہ ہوا۔ کہ یہ لفظ شرمندہ معنی ہونے کے لئے بنایا ہی نہ گیا تھا۔

لیکن جو بیذہ یا بندہ دنیا اچھوں سے بالکل ہی خالی نہیں ہوگئی ہے سارے دوست نانی وزبانی ہی نہیں ہوتے کچھ جانی بھی ہوتے ہیں آخر سعید اپنے ایک دوست خزیم بن نوفل سے ملا۔ جو سراپا صدق و صفا تھا۔ سعید نے جب اس کے سامنے بھی حسب معمول کل ماجرا دہرایا اور تانہ استمداد پر توڑی تو خزیم نے کہا۔ کہا اپنے اس غلام کے علاوہ جو ہماری باتیں کھڑا سن رہا ہے تم نے اس واقعہ کی اطلاع کسی اور کو تو نہیں دی سعید نے کہا کہ بجز میرے اور تمہارے یا اس میرے غلام کے کسی اور شخص کو میرے راز کی کانوں کان خبر نہیں۔ خزیم نے معنی خیز لہجے میں پھر استفسار کیا کہ اپنے لفظوں کو اچھی طرح جانچ تول لو کہ جو کچھ کہہ رہے ہو اس میں کچھ فرق تو نہیں سعید نے کہا کہ سر مو فرق نہیں۔

یہ سنتے ہی خزیم نے میان سے تلوار کھینچ لی۔ سعید ہکا بکارہ گیا کہ اس نے شمشیر عریاں کیوں کی۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کے منہ سے کوئی بات نکلے یا وہ بچ بچاؤ کر سکے۔ خزیم نے ایک ہی تلے ہوئے دار میں غلام کے دو ٹکڑے کر دیئے اور کہا کہ لیس عبد اخالک یعنی تیرا غلام پاس اخوت و مراعات حق برادری میں تیرا بھائی نہیں ہو سکتا یہ مثل اسی وقت سے زبان زدِ خلأق ہوگئی۔ سعید کے دل پر اپنے غلام کی تڑپتی ہوائی لاش کو دیکھ دیکھ کر جو گزری سو گزری۔ بے اختیار اس نے خزیم سے کہا کہ تجھ پر خدا کی سنوار یہ نامعقول حرکت تو نے کیا کی۔ اس کے جواب میں خزیم نے اپنے قول اول کا تکرار اس طرح کیا۔ ان اخالک من اساک کہ یہی وہ مثل مشہور ہے جس کی تاریخ ہم لکھ رہے ہیں اس پر سعید نے اصل حقیقت کہہ سنائی اور مینڈھے کے ذبح کرنے۔ دوستوں اور بھائیوں کو آزمانے اور بجز خزیم کے اور سب کے اس آزمائش میں پورا نہ اترنے کی کیفیت من دغن بیان کی۔ سعید کی داستان اگرچہ ہمہ تن اتمان تھی لیکن غلام کے قتل کے واقعہ نے انداز بیان میں شکوہ اور ملامت کو بھی ملا دیا تھا اس پر خزیم نے ایک اور بلیغ فقرہ کہا کہ وہ بھی آج کے دن تک ضرب المثل ہے سبق السیف العزل یعنی ملامت پر تلوار سبقت لے گئی۔

یہ مثل اختیار کا ایک دل آویز مرقع پیش کرتی ہے کہ جب اسلام نہ تھا اس وقت بھی عرب کے آداب و اخلاق میں قدیم ترین تمدن عرب کے بعض خصائص فاصلہ کی شعاعیں کیسی جھلک رہی تھیں اسلام نے یہی شعاعیں اور روشن کر دیں جن سے سارا زمانہ جگمگانے لگا۔ اور اس تمدنی کمزوری کی بھی پوری اصلاح کر دی جو سعید کی اعانت میں پیشدستی دکھانے کے باعث بے گناہ غلام کے قتل کا باعث ہوئی۔ کہ

مسلمان کے لئے تسرع فی الحکم کسی حالت میں بھی روا نہیں۔ اسلام نے صرف ایک چیز میں تسرع جائز رکھا ہے اور وہ تسرع فی المغفرہ ہے۔

ہم پر خدا کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اسلام کی نعمت ہمیں عطا کی۔

مناظرات

نو شیروان اور نعمان کا مناظرہ

ز شیر	شتر	خوردن	سوسمار
عرب	رابجائے	رسید	است کار
کہ	گویند	نو شیرواں	راتفو
عجم	بر	برارند	روئے خبو

عرب کے عہد جاہلیت نے دنیائے بلاغت کے لئے نثر کی جو میراث چھوڑی تھی اس کا ایک حصہ تو مثلیں تھیں جن کے نمونے اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں لیکن ایک دوسرا حصہ مناظرات بھی ہیں جن کا ایک آدھ واقعہ روایات نے اب تک محفوظ رکھا ہے۔ عربوں نے مناظرہ کے لئے جو طریقہ نکالا تھا اس کا ایک قاعدہ کلیہ یہ تھا کہ مناظرک نظیرک لفظ ”مناظرہ“ اور لفظ ”نظیر“ دونوں کا ماخذ ایک ہی ہے لہذا اپنے کسی مناظر کو حقیر نہ جانو اور ناحق کوشی سے اس پر غالب آنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ ”مناظر“ بھی تمہاری ہی ”نظیر“ ہے۔

اس ذیل میں ابن القطامی نے ایک عظیم و جلیل مناظرہ کی روایت زیب تاریخ کی ہے جو عربوں کے متعلق ایران میں ہوا تھا۔

عرب کا وہ حصہ جس کا دار الملک ”حیرہ“ تھا۔ ساسانی سلطنت کی سیادت اس پر سایہ فلک

تھی۔ کسریٰ نوشیرواں ان دنوں ایران کا شہنشاہ تھا۔ جس کی سطوت سارے ایشیا ہی پر حاوی نہ تھی بلکہ دولتِ روما کو بھی اس کے ساتھ مدار و دوستی رکھنے کی ضرورت تھی۔ ایران نے اس کے متعدد علاقے چھین لئے تھے جن کی واپسی تک اسے متواضع رہنا ضرور تھا۔

تخت گاہ ایران (مدائن) میں نوشیروانی دربار منعقد ہے۔ عظمائے مملکت و امرائے سلطنت صف بستہ کھڑے ہیں۔ داخلی و فود اور خارجی سفارتیں خاص طور پر حاضر دربار ہیں۔ روما، چین، ہندوستان اور عرب نے بھی اپنے اپنے قائم مقام بھیجے ہیں جو نوبت بہ نوبت سریر نوشیروانی کو بوسہ دیتے ہیں۔ اور مودبانہ انداز میں اپنے اپنے حکمران کی ہوا باندھتے ہیں۔ اپنے اپنے ملک کی بادخوانی کرتے ہیں۔ عرب کا قائم مقام نعمان بن منذر تاجدار حیرہ تھا۔ جو سب کے آخر میں پیش ہوا۔ مگر سب سے اول ”اگر دیر آدم شیر آدم شیر“ کے فلسفہ عملیہ سے اسی نے ارکان دربار کو روشناس کرایا تقریر کرتے وقت اس کا بیان یہ تھا کہ قوم عرب کی حریف دنیا بھر کی قومیں تہذیب و شائستگی میں نہیں ہو سکتیں یہ اتنا بڑا بول تھا جو نوشیروانی کی جلالت و جبروت کو خصوصیت سے ناگوار گزرا کہ بدیوں کی تعریف اور اتنی بڑی تعریف کہ ایرانی قوم پر بھی انہیں ترجیح دی جائے۔ یہ منجھائے گستاخی ہے کسریٰ نے اس احساس سے مغلوب ہو کر نعمان کو جن لفظوں میں مخاطب کیا ان کا حاصل یہ تھا۔

نعمان! قوم عرب اور دوسری قومیں میرے دائرہ اختیار سے باہر نہیں دنیا بھر سے جو وفد میرے دربار میں آتے ہیں۔ میں نے ان سب کے حالات دیکھے ہیں اور ان کے خصائص کو جانچتا رہا ہوں۔ کوئی قوم ایسی نہیں جس کی نسبت میری ایک خاص رائے نہ ہو۔ بصیرت ناقدہ نے سریرہ نیرہ کی جانب میری راہ نمائی کی ہے اور میں نے رومیوں میں یہ خصوصیت پائی ہے۔ کہ وہ مآلوف الاجتماع عظیم التسلط کثیر المدن۔ و شوق البیان ہیں وہ ایک مذہب بھی رکھتے ہیں جو حلال کو حرام سے ممتاز کرتا ہے نادانوں کی سفاہت کو بڑھنے نہیں دیتا اور جاہلوں کو ایک نظام کے ماتحت رکھتا ہے۔

ہندوستانی قوم بھی ان خصائص میں رومیوں کی شریک ہے خصوصاً حکمت ہند۔ طب ہند۔ وسعت انہار۔ شیرینی اثمار۔ طیب اشجار۔ عجائب صنعت۔ وقت حساب۔ کثرت تعداد کہ ان سب میں ہندوستانی قوم کی قومیت ناقابل انکار ہے۔

اہل چین بھی اسی منزلت کے شایان ہیں۔ بالخصوص چینوں کی بہ کثرت دستکاریاں،

شہسواریاں اور جوانمردیاں آلاتِ حرب آہن گری میں ان کی بلند پائیگی۔ کہ یہ باتیں ان کے مخصوصات میں ہیں۔ پھر ان کا ایک بادشاہ بھی ہے کہ انہیں مجتمع و منظم رکھتا ہے۔

عربوں میں تو کچھ بھی نہیں۔ امور دین و دنیا و دشمنوں حزم و قوت کے خصائل محمودہ میں کوئی ایسی چیز میں نے ان میں نہیں دیکھی جو ان کی فضیلت پر دلیل ہو۔ ان میں ذلت و خواری ہے۔ صغرِ نفس ہے وحشی جانوروں اور سرگرداں طائروں کے ساتھ ان کی بود و باش ہے فقر و فاقہ میں اپنی اولاد تک قتل کر ڈالتے ہیں ایک ایک کو کھا جاتا ہے اور کھائے جاتا ہے دنیا کے مادہ فیض پر الوان طعام چنے ہوئے ہیں مگر وہ اس میز سے اٹھادیئے گئے ہیں زمانہ کا محل تشریفات اصناف لباس سے آراستہ ہے مگر وہاں سے وہ نکال دیئے گئے ہیں۔ شراب خانہ روزگار میں کیسے کیسے شریں و لطیف مشروبات ہیں مگر نوبت جب ان کی آتی ہے تو پیالہ سے لب تک منزلوں کی مسافت ہو جاتی ہے۔ تماشا گاہ ایام میں کیسے کیسے ملاہی و لذات ہیں مگر کوئی ایک بھی ان کو نصیب نہیں۔ مطعومات و ماکولات میں ان کی جان اونٹ کے گوشت پر جاتی ہے اور یہ عجیب شے سب سے لذیذ مانی جاتی ہے۔ یہ وہی گوشت ہے جسے اکثر درندے بھی نہیں کھاتے۔ کیونکہ یہ نہایت ثقیل نہایت دیر ہضم نہایت مورثِ امراض ہے۔ اور یہ وہی اونٹ ہے جس کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ مگر عرب اس پر بھی نازاں ہیں۔

اشتر صراحی گرونا داغم چہ خواہی کرونا
گردن درازی می کنی پنبہ نخواہی خوردنا

عربوں کی دنائت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ کوئی مہمان آجائے تو رات کی رات اس کو سونے کے لئے جگہ دینے کو اہم الاعمال سمجھتے ہیں اور معمولی معیار انسانیت کو بطور سندِ شرافت پیش کرتے ہیں۔ مہمان کو اگر ایک دونو لے کھلا دیئے تو یہ غنیمت باروہ خاندان بھر کو ابد الابد تک کے لئے شریف بتا دینے کو کافی ہوگی۔ خود عربوں کے اشعار اس دنائت کی دلیل ہیں قصائد اس پر گویا ہیں مرد اس پر فخر کرتے ہیں اور عورتیں اس کا گیت گاتی ہیں۔

البتہ اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ دیارِ یمن ادبارِ عرب کا سرمایہ دار نہیں یمن میں بے شک آثار و ماثر ہیں زرہ و خفتان ہیں آبادیاں ہیں۔ قلعے ہیں اور ایسے امور ہیں جو بعض انسانی امور سے کسی قدر ملتے جلتے واقع ہوئے ہیں مگر یہ وہی یمن تو ہے جس کی اجتماع کی تاسیس اور مملکت کی تشہید میرے جد امجد نے کی تھی۔ اور دشمنوں سے اس کو محفوظ رکھا تھا۔

بایں ہمہ عجیب حالت ہے طرفہ کیفیت ہے کہ اس ذلت و قلت پر اس فقر و فاقہ پر۔ اس خواری و خشکی پر لازم تو یہ تھا کہ عربوں میں سکون ہوتا مسکت ہوتی مگر بوالعجبی تو یہ ہے کہ وہ اس پر بھی نازاں ہیں اتراتے ہیں انسانیت میں بھی اپنے آپ کو بڑھاتے ہیں اور سب سے اگلی صف میں بٹھاتے ہیں۔

نوشیرواں جب تک یہ تقریر کرتا رہا۔ نعمان بن منذر خاموش تھا۔ روئے زمین کی کسی حکومت کو فرد شکوہ کی نموداریوں میں ساسانیوں سے دعویٰ ہمسری نہ تھا۔ اور نوشیرواں تو دولت ساسانیہ کا درتہ التاج تھا۔ اس کی چیرگی کو دیکھتے ہوئے خیرگی ہوتی۔ اگر عرب اس کے منہ آتے نعمان کی شخصیت خود بھی کوئی بہتر نمونہ عربیت نہ تھی عجمیت اس میں بھی سرایت کر گئی تھی اور عجمی طمطراق کا وہ دلدادہ تھا پھر بھی وہ عرب تھا اگرچہ ایک کمزور عرب تھا اور عرب کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو مگر جب قوم کے لئے بات آپڑے گی تو سارے جہان کا زور اس کی زبان میں آجائے گا۔ نعمان کا عربی خاصہ عزت نفس و امتیاز قوم پرستی اس وقت ہر ایک احتیاط و دوراندیشی پر غالب آگیا۔ کسریٰ کی قہاری اسے مرعوب نہ کر سکی۔ دماغ مہبوت نہ ہوا قلب میں تذبذب نہ آیا۔ عزم میں تزلزل نہ ہوا۔ اور بھرے دربار میں اس نے کسریٰ کو جواب دیا۔

نوشیروانی دربار میں سفارتوں کے پیش ہونے پر محل عرض نیاز میں شہر یاد حیرہ (نعمان بن منذر) نے قوم عرب کے جو مکارم و مناقب گنائے تھے جن فضائل میں اس کو خیر الامم ثابت کیا تھا۔ اور خود ایرانیوں پر بھی عربوں کو ترجیح دی تھی حتیٰ کہ شہنشاہ کسریٰ نوشیرواں کو اس اطرار و اغراق کا جواب تقول و اختلاق سے دینا پڑا تھا۔ بلاغت کلام کو عربوں کی توہین و تنقیص و تہجین میں صرف کرنا پڑا تھا اشاعہ ماضیہ میں شرح و سطر سے اس کی تعین ہو چکی ہے لازم تھا کہ اس موقع پر عجم کی مہابت عرب کی صلابت غالب آتی اور طیرہ سخن کی تاثیر نطق کسریٰ کا جواب سکوت نعمان سے دلاتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ کہ ایک صادق الوجدان و ثابت العزم عرب اپنی شخصی توہین تو شاید گوارا بھی کر سکتا ہے مگر اپنی قومیت کی توہین وہ ایک لحظہ کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتا نعمان خاموش تھا مگر اسی وقت تک خاموش تھا کہ کسریٰ کی منطوق زوروں پر تھی اس کا فارغ ہونا تھا کہ بحر عرب جوش میں آگیا اور نعمان نے کہا کہ صلح اللہ الملک جس قوم کو تجھ سا بادشاہ ملے وہ کیوں نہ سامی الفضل عظیم الخطاب عزیز المنزلتہ ہو بایں ہمہ بادشاہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے بغیر شائبہ رد و تکذیب میرے ذہن میں ہر ایک کا جواب حاضر ہے حضور ناخوش نہ ہوں تو عرض کروں کسریٰ نے اجازت دی تو نعمان نے

یوں تقریر شروع کی۔

ایہا الملک اس مناظرہ میں تیری قوم کی فضیلت و برتری موضوع بحث و محل نظر نہیں۔ کہ عقل و حلم میں بسطت محل و ایوان میں بجوحہ غر و شان میں اس قوم کا کیا کہنا جس تیرے آبا و اجداد کی سلطنت اور تیری ولایت اور دولت کے باعث خدا کا فضل و کرم نازل ہو لیکن جن دوسری قوموں کا تو نے تذکرہ کیا ہے ان میں سے جو قوم بھی عرب کی قرین و مقارن قرار دی جائے تو میزان اعتبار میں عرب ہی کا پلہ بھاری ہوگا۔ اور اہل عرب ہی بڑھ چڑھ کے نظر آئیں گے۔

کسریٰ نے پوچھا آخر کس بات میں عرب بڑھ چڑھ کے نظر آتے ہیں؟

نعمان نے کہا۔ عزت و منعت میں۔ حسن و جہ میں۔ باس و ہیبت میں جو دو سخاوت میں۔ حکمت لسان میں شدت عقل میں۔ الفت و خودداری میں پاس و فامیں۔

عزت و منعت کا یہ عالم ہے کہ قوم عرب ہمیشہ سے تیرے انہیں آباؤ کرام کی ہمسایہ چلی آتی ہے جو کشور گیر و کشور شکن تھے۔ جہاں آراء و جہاں بان تھے۔ لشکر کش و قلعہ کشا تھے۔ بایں ہمہ عرب کی آزادی میں کوئی مزاحم نہ ہو سکا۔ کوئی ان سے مقصد برار نہ ہو سکا پشت اسپ ان کے قلعے ہیں۔ روئے زمین میں ان کا گھر ہے۔ آسمان ان کی چھت ہے تلواریں ان کی سپر ہیں ثبات و استقلال ان کا اثاثہ ہے۔ بحالے کہ دوسری قوموں کی عزت خاک پتھر اور سمندر کے جزیروں سے وابستہ ہوتی ہے۔

خوش روئی و خوش رنگی میں ہندو چین و ترک پر عربوں کی ترجیح ظاہر ہی ہے۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار ہی نہیں ہو سکتا۔

نسب و حسب میں غیر قوموں کا تو یہ حال ہے کہ اپنے اجداد و مورثین اور اکثر اوائل سے ناواقف ہیں تا آنکہ اگر کسی سے اس کے باپ کے کچھ ہی اوپر کی پشتوں کی نسبت سوال کیا جائے تو کوئی صحیح جواب نہ دے سکے گا۔ بخلاف اس کے عربوں میں کون ہے جو اپنے سارے نسب نامہ کو من اولہ الی آخرہ محفوظ نہ رکھتا ہو۔ اس طرح احاطہ احساب و حفظ انساب میں کوئی ان کا سہیم و عدیل نہیں افراد نہ اپنے آپ کو غیر قوم کا بتاتے ہیں۔ نہ غیر خاندان سے منسوب کرتے ہیں نہ دوسرے کو اپنا باپ بتاتے ہیں۔

عربوں کی سخاوت ایسی ہے کہ ایک بہت ہی اونٹ کا عرب مثلاً ایک جوان اونٹنی یا ایک بوڑھا اونٹ رکھتا ہے کہ وہی اس کی متاع حیات و مدار کفاف ہے اسباب معیشت میں ماورا

اس کے ہر ایک بد و نیک وسیلہ سے محروم ہے۔ اور سواری بار برداری کھانے پینے میں سب کچھ اسی پر انحصار ہے۔ کہ ناگاہ شب میں ایک شخص آتا ہے اور خیمہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے یہ ایسا مہمان ہوتا ہے کہ ایک پارہ گوشت اور ایک جرء آب اس کی ضیافت کے لئے کفایت کرتا ہے۔ مگر عرب کی ہمت دیکھئے کہ وہ اپنا وہی اونٹ ذبح کر ڈالتا ہے اور مہمان کی خاطر داری میں کہ ذکر خیرہ یادگار جمیل کا باعث ہے اپنا تمام دنیاوی اثاثہ قربان کر دیتا ہے۔

حکمت لسان میں اللہ تعالیٰ نے انہیں لطفِ سخن و رونق کلام و حسن بیان و وزن شعر و توانی و معرفتِ اشیاء و ضرب المثل و بلاغت و صف کا ایسا امتیاز عطا فرمایا ہے کہ دوسری جنس کی زبانیں زبانِ عربی کے بالمقابل کچھ بھی نہیں۔

عربوں کے گھوڑے بہترین گھوڑے ہیں۔ ان کی عورتیں عصمت و عفت میں دنیا جہان کی عورتوں پر فائق ہیں۔ ان کی پوشاک سب سے اچھی ہے ان کی کانیں سونے چاندی کی ہیں ان کے پہاڑوں کے کنکر پتھر خنزف ریزے ہیں۔ اور ان کے اونٹ تو ایسے ہیں کہ نہ اس قسم کی کسی دوسری سواری پر سفر ہو سکتا ہے اور نہ دشتِ دبیان پے سپر ہو سکتا ہے۔

عرب اپنے دین و شریعت کے ساتھ اس درجہ قوی تمسک و اعتصام رکھتے ہیں۔ اور زہد و فسک میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ ان کے مہینے تک محترم ہیں شہر تک محترم ہیں ایک محترم گھر تک موجود ہے جس کا حج کیا جاتا ہے عبادت کی جاتی ہے قربانیاں ہوتی ہیں اور اس گھر کا اتنا احترام کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص دیکھتا ہے کہ اس کے باپ بھائی کا قاتل وہاں موجود ہے اور وہ اس سے انتقام بھی لے سکتا ہے اور قتل بھی کر سکتا ہے مگر اس گھر کی حرمت و کرامت اور اس مذہب کا اعزاز و کرام ایسا کرنے سے اسے روکتا ہے۔

پاس وفاق کی یہ شان ہے کہ ایک شخص نظر بھر کے دیکھ لیتا ہے آنکھ سے اشارہ کر دیتا ہے۔ اور وہی عہد و پیمان ہو جاتا ہے جو اس وقت تک ٹوٹ نہیں سکتا جب تک کہ اس کی جان نہ جاتی رہے۔ ایک شخص زمین سے ایک لکڑی اٹھا لیتا ہے اور قرضدار کے پاس اپنے قرضے میں اسے گروی رکھ دیتا ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ قرض ادا نہ ہو۔ اور اس عہد میں فرق آئے ایک شخص کو خبر ملتی ہے کہ فلاں اس کے زیر سایہ آگیا ہے۔ یہ پناہ گیر بعض اوقات بہت ہی دور دراز مقام کا ہوتا ہے اور پناہ و ہندہ سے کوئی رابطہ نہیں رکھتا۔ مگر عرب کے زیر سایہ آجانے کے بعد اگر کسی قبیلہ کی جانب سے اس پر کوئی حادثہ پیش آیا تو جب تک اس قبیلہ کو فنانہ کر ڈالے گا دم نہ لے گا یا پھر اسی جدوجہد

میں خود اس کا قبیلہ فنا ہو جائے گا۔ ایک مجرم جس سے کوئی سابقہ معرفت نہیں کوئی رشتہ و قرابت نہیں۔ ارتکاب جرم کے بعد آتا ہے اور ایک عرب کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اب اس عرب اور اس کے خاندان کی جان و مال اس پناہ گیر پر فدا ہو جائے گی۔

قتلِ اولاد کا جو الزام عربوں پر ہے۔ اس کی حقیقت محض اس قدر ہے کہ کچھ ننگ و عار و غیرت ازدواج کے باعث لڑکیاں مار ڈالتے ہیں۔

ایہا الملک تو نے یہ بھی کہا ہے کہ عربوں کی بہترین غذا اونٹ کا گوشت ہے۔ یہ سچ ہے۔ اس لئے کہ دوسری غذائیں نہایت حقیر سمجھ کر عربوں نے ترک کر دی ہیں۔ اور ایسی غذا پسند کی ہے جو اجل الماکل و افضل الطاعم ہے۔ انہیں اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں یہی کھانے کے کام آتے ہیں۔ کہ بیشتر جانوروں میں یہی کثیر لاشم۔ طیب اللحم۔ رقیق اللبنة قلیل القائلہ حلوا لمضغ ہیں۔ اونٹ کا گوشت جس طرح کھایا اور پکایا جاتا ہے۔ اس خصوصیت میں کوئی دوسرا گوشت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

کیا عرب اس لئے قابلِ عظمت نہیں کہ ان میں ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے اور وہ کسی ایسے شخص کے مطیع نہیں ہوتے جس کی سیاست ان سب کو مجتمع کر سکے۔

کسی ماہر سیاست کی اطاعت کی ضرورت تو اس قوم کو لاحق ہوتی ہے جو اپنے آپ کو ضعیف و کمزور دیکھ کر دشمنوں کے حملہ سے ڈرتی ہے کہ اسے تباہ نہ کر ڈالیں۔ اور اس کی آزادی سلب نہ کر لیں۔ اس اطاعت کی حاجت مند کوئی بڑی سلطنت ہوتی ہے جس کا کوئی ایک گھرانہ کہ سب پر اس کے فضائل مرجح ہوں۔ مطاع مانا جاتا ہے۔ لوگ اپنی عنان اختیار اسی مطاع کے ہاتھ میں دے دیئے ہیں۔ اور اسی کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ عربوں کو اس کی ضرورت ہی نہیں نہ وہ ضعیف و کمزور ہیں نہ ان کی آزادی پر کوئی حملہ کر سکتا ہے ورنہ کوئی فاتح ان کی شجاعت کا حریف ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ وہ سب کے سب بادشاہ بننا چاہتے ہیں مگر کسی کو خراج و محصول نہیں دینا چاہتے۔

بادشاہ نے یمن کی جو حالت بیان کی جاتی ہے اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بادشاہ کے جد امجد کو ایسے وقت دیار یمن سے تعلق پیدا ہوا تھا جبکہ اہل یمن کا قدیم تمدن پہلے سے موجود تھا۔ ملک منظم۔ امر مجتمع۔ حکومت قائم۔ تہذیب مستقیم۔ بادشاہ کے دادے ایسے وقت میں آئے۔ تو کس حال میں آئے اس حال میں آئے کہ مطرد تھے مردود تھے۔ مسلوب الامت تھے ملک بدر تھے زار نالی کر رہے تھے عرب اگر اعانت نہ کئے ہوتے۔ مدد نہ دیئے ہوتے۔

تو معلوم نہیں۔ دادے جان کی کیا گت بنی ہوتی اور کیا کچھ حادثہ پیش آتا۔
 نعمان جب تقریر کر چکا تو کسریٰ نے نہایت مدح و تحسین کی اور شہنشاہی خلعت عطا فرمایا۔ دربار سے رخصت ہو کر جب نعمان ارض حیرہ میں واپس آیا تو عربی قومیت کے متعلق ایک مجلس شوریٰ مرتب کی جس نے نو شیردانی دربار میں اپنا ایک خاص وفد بھیجا تھا۔

عربی شاعری

عربوں نے غوطہ، دمشق، شعب، بوان، نہر ابلہ، صغر سمرقند کو عجائب ارض میں شمار کیا تھا۔ آج کل مصر کے اہرام، ابوالہول، آبشار نیا گرا، نہر پنا ما کو اعجاب العجائب کہتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مادیات کے ذہنی عالم میں عرب جاہلیت کی شاعری اور اس کی تاریخ سے زیادہ شاید ہی کوئی اور عجوبہ ہوگا۔ وہ تمام جسے دنیا بدایت کی وحشیانہ زندگی بسر کرتے دیکھتی تھی جس میں ساسانیوں کی عظمت و شان نہ تھی۔ رومیوں کی آن بان تھی جو تا آشنائے فلسفہ افلاطون تھی۔ ناشناسائے حکمت سولون تھی تہذیب متعارفہ سے جو بیگانہ تھی وحشت و بدایت کی دیوانہ تھی۔ وہی قوم وہی غیر متمدن قوم جب شاعری کی دنیا میں آتی ہے تو اس کی زبان ابر رحمت بن کر حکمت کے موتی برساتی ہے۔ ربیعہ بن رباح المزنی جو عرف عام میں زہیر بن ابی سلمیٰ کے نام سے مشہور تھا۔ ایک معمولی بدوی تھا مگر دیکھنا یہی بدوی کیا کیا شائستگی کے حقائق سناتا ہے اور فلسفہ اجتماعیہ کے کیسے کیسے راز بتاتا ہے قبائل عبس و ذبیان میں جنگ تھی۔ حارث بن عوف، دہرم بن سنان نے کہ سرداران بنی مرہ تھے کوشش کر کے صلح کرادی۔ زہیر اس واقعہ پر اپنی دلی مسرت کا اظہار ایک پُر زور نظم میں کرتا ہے جو معلقات میں محدود ہے اور جس نے اس کو احد الشلاہۃ المتقد میں علی سائد الشعراء کا خطاب بارگاہ علم و ادب سے دلایا ہے۔ یعنی تمام شعرائے عرب کے سرکردہ تین ہیں۔ اور ان میں ایک زہیر بن ابی سلمیٰ بقیہ دو امر القیس و نابغہ ذبیانی تھے۔

زہیر کو دور جاہلیت کی بزم سخن میں صدر نشینی کا مرتبہ بلاوجہ نہیں ملا معلقات کے دوسرے مصنفین سے جو بات اسے نمایاں طور پر ممتاز کرتی ہے اس کی شاعری کا نہایت ہی لطیف اخلاقی پہلو ہے اس کے دوسرے ہم چشم انسانیت کے جذبات بھی سے سروکار رکھتے ہیں بزم و رزم کی رنگا رنگ کیفیت کو بیان کرتے وقت ان کا قلم عنان گستگی میں ابرنو بہار کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور جس طرح ریگستان عرب کے کسی ناہموار فرزند کے لئے ایک ذرا سی بات پر اپنے کسی ہم نشین کی

جان لے لینا ایک معمولی سی بات ہے اسی طرح ان کے اخلاق کی بے راہ ردی ذوق سلیم کا خون روار کھنے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں دیکھتی لیکن قصیدہ بانٹ سعاد کے نامور مصنف کا عالی قدر باپ ان تمام نقائص سے مبرا اور ان تمام لغزشوں سے معرأ ہے۔ اور ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ وہ کون سی قوت قدسی تھی جس نے اس نازک خیال سخنور کو اپنے زمانہ کی متعا و حدود سے نکال کر اس زمانہ کی محفل میں لا بٹھایا جب بربریت مٹ چکی تھی تو وحش کی ظلمت کا نور ہو چکی تھی اور روحانیت کی مشعل تمدن کی انجمن میں جگمگانے لگی تھی۔

جب واحس جس نے عرب میں خون کی ندیاں بہادی تھیں قبیلوں کا صفایا کر دیا۔ انتقام کے دیرینہ بددی جذبے کی آگ گھر گھر بھڑکا دی تھی تعلقات کا خون چکاں موضوع ہے۔ غثرہ نے اس ڈراؤنی جنگ کی تصویر کھینچنے میں جہاں اپنا معجزانہ کمال دکھایا ہے وہاں ان جذبات کے ابھارنے میں بھی اپنے دوسرے معاصرین کی طرح کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ جنہوں نے باپ کو بیٹے اور بھائی کو بھائی کے خون کا پیا سا بنا دیا تھا زہیر بھی اس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے لیکن اس کی شاعری تلواروں کی جھنکار کی گونج نہیں ہے بلکہ صلح و سلام کا نغمہ ہے اس کا معلقہ اس شان دار فیاضی کے لئے وقف ستائش ہے جو حرب واحس کے خاتمہ اور انعقاد صلح کی محرک ہوئی عبسیوں کے بہت سے آدمی میدان قتال میں کام آئے تھے سلسلہ جنگ کے انقطاع کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ خون بہا کی پوری رقم ان کو ادا کر دی جائے ہرم بن سنان اور حارث بن عوف کو مبداء فیاض کی طرف سے یہ توفیق عطا ہوئی اور ذبیانیوں کے ان دور فیع المترات سرداروں نے غایت ایثار سے کام لے کر کل رقم خود اپنی جیب سے ادا کر دی ان کی اس فراخ حوصلگی کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ خود ان کی گردن پر کسی کا خون نہ تھا بلکہ شرافت نفس و حب وطن کے پاک اقتضائے انہیں اس ایثار پر آمادہ کیا تھا۔ یہ مضمون ایسا نہ تھا جس پر زہیر کہ اس نے عمر بھر کسی کی بیجا مدح نہیں کی تھی قلم نہ اٹھاتا وہ لکھتا ہے۔

امن امدانی ومنةم تعلقمہ بحومانة البدر اج فالمتسلمہ

(کیا میری محبوبہ ام ادنیٰ جس مکان سے چلی گئی ہے اس کے کھنڈر ایسے ہو گئے۔ کہ بولتے تک نہیں یہ وہی کھنڈر تو ہیں جو مقامات حومانۃ البدر اج و متسلم میں واقع ہیں)۔

و دار لہا بالرقمتین کانہا مراجیع وشم فی نواشر معصم

(ام ادنیٰ کا مکان جو مقام رقمتیں میں تھا۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہاتھ کے اعصاب

پر دوہرے گوند نے گودے ہوئے ہوں۔ مینہ برسنے سے اس مکان کے ٹوٹے پھوٹے نشانات بھی اسی طرح رہ رہ کے نمایاں ہوتے رہتے ہیں جس طرح ہاتھ کے گوند نے ابھرا بھر کے نظر آتے ہوں۔

وقفث بہا من بعد عشرہ حجۃً فلاباً عرفت الدار بعد تو ہمہ
(میں یہاں بیس برس کے بعد آیا۔ اور ان کھنڈروں کے سامنے کھڑا رہا لیکن بڑی مشکل و مشقت سے میں اس مکان کو پہچان سکا کیونکہ بیعت ہی بدل چکی تھی اور وہم و گمان سے مدد لینے کے بعد کہیں شناخت کی نوبت آئی تھی۔

سمتُ تکالیف الحیاة ومن بعثِ ثمانین حولاً لا ابالک لیسامہ
(زندگی کی تکلیفوں سے میں تنگ آ گیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان تکلیفات میں جس نے اسی برس کاٹے ہوں۔ وہ تنگ آ ہی جائے گا کہ پیرانہ سالی خود موجب تکلیف ہے۔)

واعلم علم الیوم والا مس قبلہ ولکننی عن علم مافی غد اعمی
(میں جانتا ہوں کہ واقعات حاضرہ سے کیا نتیجہ نکلنے والا ہے واقعات سابقہ سے کیا کیا نتائج مترتب ہو چکے ہیں۔ موجودہ و گزشتہ سب کی واقفیت مجھے ہے۔ لیکن یہ امر کہ کل کیا ہوگا اور آئندہ کیسے واقعات پیش آئیں گے۔ اس علم سے میں جاہل ہوں اور اس کو بالکل نہیں جانتا۔)

ومن لم یصانع فی امور کثیرة یضوس بانیاب ویوطا بمنسم
(زمانہ کا یہ حال ہے کہ جو شخص اکثر معاملات میں زمانہ کا ساتھ نہ دے گا اور لوگوں کے ساتھ رفق و مدار سے پیش نہ آئے گا اسے چاروں طرف مہرور و ذلیل ہونا پڑے گا۔)

ومن یجعل المعروف من دون عرضہ یفرد ومن لا یتق الشتم یشتم
(جو شخص خیرات و حسنات کو اپنی عزت و آبرو کے زور و دلائے گا یعنی لوگوں کے ساتھ بھلائیوں کر کے اپنے اپنے ننگ و ناموس کو بچائے گا اس کی آبرو بچ جائے گی اور جو شخص موجبات سب و شتم سے نہ بچے گا یعنی ایسے کام نہ کرے گا جن کے باعث لوگ اس کو برا نہ کہیں لامحالہ اس کی تذلیل ہوگی۔ اور اس کو گالیاں دی جائیں گی۔)

ومن یغترب یحسب عدوا صدیقہ ومن لا یکرم نفسہ لا یکرم
(جو شخص پردیس میں ہو وہ اپنے دشمن کو بھی دوست سمجھنے لگے گا اور جو اپنی آپ عزت نہ کرے گا اور خودداری کو بالکل ہی بالائے طاق رکھ دے گا تو لوگ بھی اس کی عزت

نہ کریں گے)۔

وہا یکن عند امرئ من خلیقۃ۔ وان خالہا تحفی علی الناس تعلمہ
(اگر کسی کی سرشت ہی میں کوئی خصلت فطری ہے تو خواہ وہ اسے کتنا ہی کیوں نہ چھپائے
اور خیال کرتا ہو۔ کہ لوگوں سے یہ بات پوشیدہ رہے گی مگر پوشیدہ نہ رہے گی اور لوگ اس کو جان
جائیں گے)۔

وکائن ترئ من صامصلدمعجب زیادته اونقصہ فر التکلم
(کتنے لوگ ایسے ہیں کہ خاموش بیٹھے ہیں اور تم ان کی نسبت نہایت عمدہ رائے رکھتے
ہو۔ مگر ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ باتیں کریں کہ تکلم ہی سے معلوم
ہوتا ہے کہ دوسروں سے ان کے فضائل زیادہ ہیں یا کم ہیں)۔

لسان الفتی نصف ونصف فوادہ فلم یبق الا صورة الحمہ والدم
(انسان کے دوہی حصے ہیں نصف حصہ میں تو زبان ہے اور نصف میں دل یعنی انسان کی
آدھی قدر و قیمت تو اس کی زبان سے وابستہ ہے اور آدھی اس کے دل سے اب باقی کیا رہ گیا۔
صرف گوشت اور خون کی صورت باقی رہ گئی اور کچھ نہیں)۔

رایث سفادۃ الشیخ لا حلم بعدہ وان الفتی بعد الشفاہة یحلم
(میں نے دیکھا ہے کہ بوڑھا آدمی اگر کج خلق ہو۔ تو اس کے اخلاق نہیں بدل سکتے۔ اور
نہ اس میں خوبیاں آسکتی ہیں مگر جوان کی حالت اس کے خلاف ہے بد اخلاقی کے بعد بھی وہ حسن
اخلاق پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے)۔

سالنا فاعطیتم وعدنا فعدتم ومن اکثر النسال یوما یسحرم
(ہم نے تم سے سوال کیا۔ تم نے عطیات سے اس کا جواب دیا ہم نے پھر سوال کئے تم
نے پھر یہی جواب دیئے حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ جو بہ کثرت سوال کرتا ہے اسے ایک نہ ایک دن محروم
ہونا پڑتا ہے)۔

یہ اشعار اگر حیرانہ انداز میں نہ آئے ہوتے تو شاید حرب و احس پھر چھڑ جاتی۔ اور خون کی نئی
ندیوں سے ریگزار عرب لالہ زار ہو گیا ہوتا۔ اس لئے کہ حسین بن ضمضم نامی ایک عرب کی بے
عنوانیوں سے فریقین کی آتش غیظ و غضب پھر بھڑک اٹھی تھی اور وہ تلواریں جنہیں ہرم و حارث
کے فیاضانہ ایثار نے جوہر آزمائی سے روک رکھا تھا پھر بے نیام ہوا چاہتی تھیں۔

یہ تھی عربوں کی شاعری کہ با صد ہزار تو حش بھی وہ جو کچھ کہتے ہیں تہذیب آج چودہ سو برس کے بعد بھی اس پر ایک حرف تک کا اضافہ نہ کر سکی۔ اور یہ تھا عربوں میں شاعری کا اثر کہ ایک جنگِ عظیم چھڑا ہی چاہتی ہے جس کے روکنے میں تمام اصابتیں تمام مال اندیشیاں بے کار ثابت ہو رہی ہیں۔ مگر ایک شاعر اٹھتا ہے اور اپنے چند اشعار کے ذریعہ سے قوم پر ایسا اثر ڈالتا ہے کہ جنگ خود بخود دُرک جاتی ہے اور جنگ آوروں میں حرب و صرب کی جگہ صلح و سلام کی بنیادیں استوار ہو جاتی ہیں کاش ہمارے شعراء میں بھی یہی روح ہوتی اور اخلاقی دنیا میں ہماری شاعری بھی اسی طرح اثر انداز ہو سکتی۔

گولڈزیر کے استثنائی فضائل عالم آشکارا ہیں۔ لغات عرب میں اس نے ایک حکیمانہ کتاب لکھی ہے جس میں دورِ جاہلیت کے مضمون پر ایک جامع تبصرہ موجود ہے۔ اس معرکہ آراء تصنیف کا حوالہ دے کر پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں کہ زہیر بن ابی سلمی کے حالات زندگی جہاں خفا میں مستور ہیں اور تاریخ اس نامور شاعر کی حیات پر بہت کم روشنی ڈالتی ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ بہ گمان غالب اس کا انتقال اسلام سے پہلے ہوا۔ اگرچہ ساتھ ہی یہ روایت بھی ماثور ہے کہ جب زہیر کی عمر سو سال کی ہوئی تو وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا جو ذوق سخن سرائی اسے اپنے چچا بٹامہ سے ترکہ میں ملا تھا وہ آگے چل کر اس کے بیٹے کعب کے حصہ میں آیا جو مشہور قصیدہ بانس سعاد کا مصنف ہے یہ بیان گولڈزیر کا ہے لیکن واقعہ صرف اس قدر ہے کہ خود زہیر کو حضور دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضوری کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا بلکہ یہ عزت کعب بن زہیر کو حاصل ہوئی تھی۔

زہیر جو کچھ لکھتا تھا نہایت جانچ تول کر لکھتا تھا کہتے ہیں کہ ایک قصیدہ لکھنے میں اسے چار مہینے صرف کرنے پڑتے تھے۔ پھر چار مہینے میں وہ مسودے کی تصحیح کرتا رہتا تھا اس کے بعد چار مہینے تک ترمیم شدہ مسودے کو اصلاحاً اپنے معاصرین کو دکھاتا رہتا تھا اور ایک سال سے پہلے پہلے اپنا کلام مجامع عام میں پیش نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے قصائد کو ”حولیات“ کہا گیا ہے (حول بمعنی سال)۔



مروج الذهب

سلسلہ تاریخ اسلام

علامہ مسعودی کہتے ہیں کہ ہیرودوتس تاریخ کا ابوالآبہ ہے۔ یونان قدیم کے متعلق جس کے سر پر ظلمت اندوز روایات کا ایک ابر مظلم چھایا ہوا ہے۔ یہ قول صحیح ہو گا اس لئے کہ اس عہد عتیق میں بت پرستانہ روایات کے دھندلکے سے نکل کر تخلص اور روایات کی روشنی میں آنا ایک بڑا کام تھا اور یہ کام ہیرودوتس نے بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا لیکن یونان قدیم اور دسویں صدی عیسوی کی دنیا میں زمین آسمان کا فرق ہے کہ اس میں اسلام کا خورشید عالم تاب کائنات کے چپے چپے کو عقل و حکمت کی روشنی سے منور کر چکا تھا بچہ بچہ حقائق کے دریا بہانے کے قابل ہو گیا تھا اس عہد زریں میں قریہ قریہ کو اتھنس ہونے کا دعویٰ تھا۔ ایک ایک چوپال ارسطو کا دارالحمکت اور افلاطون کی اکاڈمی تھی اس زمانہ کے اگر کسی مورخ کی جلالت قدر کے سامنے آج کل کے یورپ کا سر ادب بھی خم ہو۔ اور اس کی مبصرانہ تحقیق و وسعت نظر کی دھاک ہر مغربی مستشرق پر بیٹھی ہوئی ہو۔ تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی شان کس قدر رفیع اور اس کا مرتبہ کتنا بلند ہوگا۔

علامہ ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی جن کی معرکہ آرا کتاب ”مروج الذهب و معادن الجواہر“ کا اردو ترجمہ ہم اہل نظر کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا کے فاضل مقالہ نگار کی رائے میں ہیرودوتس کے جواب ہیں اور پروفیسر نکلسن بھی اسی خیال میں مقالہ نگار موصوف کے ہم صفیر ہیں لیکن حق یہ ہے کہ ہیرودوتس کو مسعودی سے وہی نسبت ہے جو ذرہ کو آفتاب سے یا نقطہ کو کتاب سے ہم بہ تتبع علامہ ابن خلدون مسعودی کو امام المورخین کہہ کر ان تمام فضائل کا استقصا کئے دیتے ہیں جو دنیا کے ایک بڑے سے بڑے مورخ کی ذات میں اسلامیوں کے نزدیک جمع ہوئے ممکن ہیں۔

علامہ ممدوح نویں صدی مسیحی کے اواخر میں پیدا ہوئے اور آپ کا مولد دارالسلام بغداد ہے یہ زمانہ جیسا کہ ہم اشارہ بتا چکے ہیں۔ دولت عباسیہ کا عہد فضیلت مہد تھا کہ پروفیسر براؤن کا

استشراق سے اسلام کا عہد زریں قرار دیتا ہے خداوند قدوس کی مشیت میں جس کے لئے بزرگی مقدر ہوتی ہے اسے وہ بسا اوقات اپنے خزانِ نبی سے اکتسابی شرافت کے ساتھ امتسابی فضیلت بھی مرحمت فرماتا ہے مسعودی ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جیسا کہ ان کا نام ظاہر کر رہا ہے ان کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رسول اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ اور اس لئے اگر مسعودی جامع کمالات وہی و کسبی ہیں تو یہ ان کی آبائی میراث ہے۔

آج تو مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ گھر سے نکل کر اگر محلہ کی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز قضا کا ارادہ کر لیتے ہیں تو سمجھنے لگتے ہیں کہ بس اب ہم قل سیردانی الارض کے مفسر ہو گئے۔ لیکن ایک زمانہ وہ بھی تھا جب ایک مسلمان مغرب اقصیٰ کی گھاٹیوں سے نکلتا تھا تو سمندروں کو قطع کرتا ہوا اور کوہ و صحرا کو گرد کی طرح پیچھے چھوڑتا ہوا دیوار چین کے سایہ میں جادم لیتا تھا اور اپنے ایک بھائی سے اگر دہلی میں ملاقات کرتا تھا تو دوسرے سے پیکن میں۔ علامہ مسعودی نے بھی انہیں جہاں گشارِ زوایات کی گود میں پرورش پائی تھی تعلیم سے فارغ ہو کر منتہیانہ قابلیت کی سند حاصل کی۔ انہوں نے دنیا کے سفر کے لئے گھر سے باہر قدم نکالا کہ اپنی آنکھوں سے ہر ملک ہر قوم اور ہر ملت کے حالات کی چھان بین کر کے اندازہ لگائیں کہ اقوام عالم کے عروج و زوال اور صعود و ہبوط کے کیا اسباب ہیں مصدقین کس درجہ پر پہنچے ہیں اور مکذبین کی عاقبت کیا ہوئی ہے۔ اس حقیقت کبریٰ کا اظہار خود علامہ ممدوح کے خامہ بداعت طراز نے اس طرح کیا ہے۔

”جو شخص اپنے گھر سے کبھی باہر نہ نکلا ہو۔ بلکہ اسی قدر مبلغ علم پر قانع رہے جو خود اپنے ملک کی تاریخ کے بارے میں اسے حاصل ہو سکتا ہو وہ ہرگز اس شخص کی برابری نہیں کر سکتا جس نے اپنی عمر بجائے حضر کے سفر میں بسر کی ہو جس نے اپنے دن بے قرارانہ بادیہ نوردیوں اور کشور گردیوں گزارے ہوں۔ اور جس نے ہر طرح کی حیرت اندوز اور گراں مایہ اطلاعات اسی کنز مخفی سے بہم پہنچائی ہوں۔“

علامہ مسعودی کا شمار اسی دوسرے طبقہ کے نفوس قدسیہ میں تھا کہ ان میں بھی انہیں درجہ صدارت حاصل ہے۔ اس ہمہ گیر سفیر میں اس بمیشل کتاب کی حقائق آفرینیوں کا انہوں نے سرمایہ بہم پہنچایا۔

علامہ مسعودی کی سیاحت کی پہلی منزل یہی خاک پاک ہند ہے اور ہندوستان ناز کر سکتا ہے کہ آسمان حقیقت کے ایک ایسے بڑے شمس بازغ کی تجلیوں سے اس کا ذرہ ذرہ غیرت خاوراں ہوا۔ ۹۱۲ء میں مسعودی پہلے منصورہ آئے پھر ملتان پہنچے اور وہاں سے عازم دکن ہوئے

ملتان کو تو کون نہیں جانتا۔ اس کی عظمت کا زمانہ اگر خواب و خیال ہو گیا ہو تو کم از کم یہی پیش افتادہ شعر آج بھی اس کی معرزی کی خدمت انجام دے سکتا ہے کہ۔

چار چیز است تحفہ ملتان
گردو گرما گدا و گورستان

اگرچہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ کی یادگار جناب خان بہادر مخدوم حسین بخش سلمہ اس پر چیں بہ جبیں ہوئے بغیر نہ رہیں گے کہ ایسی ارض تابناک کے آثار بباقیہ میں سے ہم کو اگر کچھ نظر آیا۔ تو چند ٹوٹی پھوٹی قبریں چند خاک کے بگو لے چند تمازت ریز امواج سموم چند گدایان مبرم کے کشکول لیکن حقیقت کو کیا کیا جائے کہ اس کو اسی پر اصرار ہے منصورہ البتہ ایسا مقام ہے کہ اس کا ہندوستان کی تاریخ میں نام ہی نام رہ گیا ہے سندھ کے اس مشہور تاریخی مقام کے حیرت انگیز عربی تمدن اس کی عدیم النظیر رونق اس کے بے مثال علمی کارناموں سے اسلامی تاریخ کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔

مسعودی ایران ہوتے ہوئے ہندوستان آئے تھے۔ اور ان دونوں ملکوں کے دلفریب مشاہدات میں ان کے تین سال بسر ہوئے۔ فارس اور سوسیانہ کے حالات انہوں نے بہ تفحص فراہم کئے اور عجیبوں کے کتب و صحائف کی نسبت دقیق معلومات کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ جس کا ثبوت ان کی تصانیف سے ملتا ہے اس سہ سالہ سیاحت کے بعد انہوں نے بصرہ کو مراجعت کی جہاں ان کی ملاقات ابوزید سے ہوئی کہ ان کا شمار اس عہد کے مشہور جغرافیہ نویسوں میں ہے ابوزید نے ممالک مشرقیہ کی جو تفصیلی سپرد قلم کی ہے اسے مسعودی کی تحریرات کے ساتھ ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بصرہ سے ۹۱۵ء میں مسعودی پھر عازم مشرق ہوئے۔ اور پہلے کھبایت آئے پھر سیمور گئے اور ایک زمانہ وہاں بسر کر کے روانہ سیلان (سیلون) ہوئے جس کا دوسرا نام سرانڈیپ ہے اور جہاں حسب معمول ان کی کنج کا دیاں سرگرم عمل رہیں یہاں سے جہاز پر سوار ہو کر انہوں نے چین کا سفر کیا۔ اور چین سے جو مراجعت کی تو موجوں کی سینہ شگافی کرتے ہوئے سیدھے مدغاسکر پہنچے۔ اور وہاں کچھ دن قیام کر کے اپنے وطن کو لوٹے۔

تمام وہ علامہ جو بحیرہ خزر کے نواح میں واقع ہے تمام ارض شام تمام فلسطین کا مسعودی

نے چپہ چپہ چھان مارا۔ اور کوئی واقعہ ایسا نہ تھا۔ جو ان کے مشاہدے سے گزرا ہو۔ اور ان کی یادداشت میں ٹانگ نہ لیا گیا ہو۔

۹۲۶ء میں جب وہ فلسطین پہنچے تو کلیسائے مسیحی کی زیارت کی اور وہاں سے چل پڑے۔ ۹۲۳ء میں انہوں نے انطاکیہ کے کھنڈروں کی چھان بین کی جس کی پوری تفصیل ان کی زبانی ہم تک پہنچی ہے۔

مروج الذهب کی تصنیف کا سال بھی ۹۲۳ء ہی ہے۔

اپنی شان دار زندگی کے آخری دس سال علامہ مسعودی نے شام و مصر میں گزارے۔ اور ان کی وفات ۹۵۶ء میں ہوئی۔

مقالہ نگار انسائیکلو پیڈیا مسعودی کی حیات پر نظر انتقاد ڈالتا ہوا اس محقق یگانہ کے گونا گوں عقلی و اخلاقی کمالات کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

”اس زمانہ میں مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں دنیائے معلومہ کے ایک بہت بڑے حصہ پر پھیلی ہوئی تھیں۔ اور عراق دنیا کی تجارت کا مرکز سمجھا جاتا تھا مسلمانوں کی فاتحانہ سطوت ادلوا العز مانہ تجارت اور مبلغانہ مساعی ایشیا اور افریقہ کے بعید ترس گوشوں تک جا پہنچی تھیں مسعودی کی ہمہ گیر سیاحتوں کی تگ دو بھی انہیں حدود سے متحیز تھی لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مسعودی کے سفر کی غرض وغایت جلب منفعت تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ ہر خصوصیت کا بہ نگاہ امعان مطالعہ کرے اور وہاں آثار قدیمہ حالات تاریخی اور اخبار و آداب کے بارہ میں جو کچھ معلومات فراہم ہو سکتی ہوں کرے وہ تعصب سے بالکل پاک تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ اس کے عقائد معتزلی تھے اور وہ مسئلہ اختیار کا قائل تھا یہ اسی رجحان طبع کا باعث تھا کہ اس نے ایرانی مجوسیوں اور مسیحی استنوں کی تصانیف سے بھی برخوار غبت تمام اقتباسات لے لینے مناسب سمجھے ہیں۔

اس رائے کے بعض حصوں سے ہمیں اختلاف ہے علامہ مسعودی تفصیلی ضرور تھے مگر فضیلت اہل بیت میں ان کے تمام تر اعتقادات و خیالات آئمہ محدثین عرب کے اعتقادات کے دوش بدوش تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ان کا شمار اکابر معتزلہ میں تھا انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی ایک انوکھی جدت طرازی ہے۔

جبر و اختیار کی گھستی کو اسلام نے ایک انداز خاص میں سلجھایا ہے از روئے قرآن مجید انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار مطلق ہے اسی کی حالت اس کے بین بین رکھی گئی ہے۔ ناخ لکھنوی

نے اسی خیال کو کس خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔

چلا عدم سے۔ میں جبراً تو بول اٹھی تقدیر

بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا

یہی اسلامی عقیدہ علامہ مسعودی کا بھی تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا کے مقالہ نگار نے کس بنا پر یہ لکھ دیا کہ مسعودی جبری و قدری تھے۔ رہی یہ بات کہ مسعودی کا دامن تعصب سے پاک تھا۔ تو یہ کچھ ایسا وصف نہیں ہے جس میں ہمارے سلف صالحین میں کسی بلند پایہ عالم یا محقق کو اپنے ہم چشموں کے مقابلہ میں کوئی خاص امتیاز ہو۔ اس لئے کہ اگر مجوسیوں اور گبروں کی حکمت سے مستفید ہونا اس حد تک کہ خذ ما صفا ودع ما کدر کا حکیمانہ اصول پیش نظر رہے۔ بے تعصبی کی علامت ہو۔ تو یہ تو اسلام کی سب سے پہلی تعلیم ہے کہ الحکمة ضالۃ المؤمن وجد ہا فھو الحق بھا حکمت جہاں کہیں بھی ہو جس شکل میں بھی ہو۔ جس شخص کے بھی پاس ہو وہ تو مسلمانوں کی آبائی میراث ہے مسعودی نے اگر ترسائیوں اور کلیسیائیوں سے مل کر ان کے خیالات کا مفید تر کہ ہمارے لئے چھوڑا ہے اور ان کے واقعات کا دہینہ حوالہ تاریخ کیا ہے تو یہ اسلام کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔

مقدمہ

الحمد لله اهل الحمد مستوجب الشاء والمجد و صلى الله على سيدنا محمد خاتم

النبيين وعلى اله الطاهرين وسلم تسليما الى يوم الدين اما بعد.

اخبار الزمان:

حالات زمانہ میں ہم نے اپنی جو کتاب ”اخبار الزمان“ تصنیف کی ہے اس میں زمین کی ہیئت، لوئے زمین کے شہر، معمورات عجائب وغرائب، بحر و بر، کوہ و نہر، مدائع معاون اصناف، متاہل، ناپو، سمندر کے جزیرے، چھوٹے چھوٹے بحیرے، قابل تعظیم عمارات، شایان شرف مساکن، شان مبداء، اصل نسل اختلافات وطن۔ وہ جو پہلے نہر تھی پھر دریا ہو گئی وہ جو پہلے دریا تھا پھر خشک زمین بن گیا وہ جو خشک زمین تھی پھر دریا ہو گئی انقلاب ایام و مرور دہور سے ایسا کیوں ہوا۔ اس کی علت کیا ہے۔ اس کے فلکی و طبعی اسباب کیا ہیں کون کون سی اقلیم کس کس سیارہ کے

خواص سے مربوط ہے کن کن ثوابت کے افعال سے متعلق ہے نواحی و آفاق کی مقدار تاریخ قدیم میں لوگوں کا تباین و تخالف اس کی ابتدا و اولیت میں وہ اختلافات جو اہل ہند نے کئے ہیں جو طرح طرح کے ملحدوں نے کئے ہیں جو کچھ اس باب میں اہل شرع سے وارد ہے اور جو اباب مذاہب و ادیان پر اترتا ہے یہ سارے مسائل و مباحث ہم اس کتاب میں پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

ملکی و قومی مسائل:

اس کے بعد ہم نے ان سلاطین کے حالات لکھے ہیں جو گزر چکے ہیں۔ ان اقوام کے واقعات لکھے ہیں جو تباہ ہو چکی ہیں ان صدیوں کے تذکرے کئے ہیں جن کی حدود تک پہنچنے میں خلا حائل ہے ان جماعتوں کے اخبار و افکار بتائے ہیں جن کو تباہ ہوئے ایک زمانہ ہو چکا ہے۔ اور یہ ساری باتیں ترتیب ایام و اوقات کے ساتھ سلسلہ وار بیان کی ہیں مثلاً قوم عاد کے بادشاہ اور فرعون خسر و اور کسریٰ یونان و اہل یونان جو حکمت و فلسفہ ان اقوام سے ظاہر ہوا جو اقوال و مذاہب فلاسفہ سے مروی ہیں جو خبریں بادشاہوں سے متعلق ہیں جو حالات عنابر و اقوام سے علاقہ رکھتے ہیں پھر اس ذیل میں انبیاء و مرسلین و اتقیا و صلحا کے حالات تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف رسالت عطا فرمایا ہم نے ان سب کی تفصیل درج کی ہے۔

اسلامی واقعات:

آنحضرت کی ولادت، نشوونما، بعثت و ہجرت، غزوات و سرایا (مہمات) تا بہ ایام وفات و اتصال خلافت و تنظیم مملکت کہ ہر ایک زمانہ میں اس کی کیا کیفیت تھی۔ آل ابوطالب بن عبدالمطلب (طالبین کے مقاتل یعنی وہ لوگ کہ اس نسل میں سے اٹھے ظاہر ہوئے اور پھر قتل (شہید) ہو گئے۔ تا بہ عہد خلافت امیر المؤمنین اہل بیت علیہم السلام کہ ۳۳ھ کا زمانہ ہے اور یہی اس کتاب (مروج الذهب) کی تصنیف کا سن ہے غرض کہ ان حقائق میں سے کوئی ایک جز یہ بھی اس کتاب میں فرد گداشت نہ ہونے پایا۔

کتاب الاوسط مروج الذهب کا سبب تالیف

اخبار الزمان سے فارغ ہو کر ہم نے کتاب الاوسط تصنیف کی پھر یہ رائے ہوئی کہ ہماری تاریخ اعظم و کتاب الاوسط کے بعد سے اب تک کے واقعات میں ایک مستقل کتاب لکھی جائے

جس میں ہماری دونوں اعظم و اوسط کتابوں کا خلاصہ ہو۔ اور اس لطیف تصنیف میں ان دونوں کتابوں کے علاوہ علوم و اخبار اقوام گزشتہ ایام بر رفتہ کی جو باتیں ہنوز کہیں و دیخت نہیں ہوئیں وہ یہاں قید تحریر میں لائی جائیں لیکن تقصیر و تقاعد و غفلت ہو جائے۔

تو اس سے معذرت ضروری ہے کہ سیر و سفر و سیاحت میں لگے رہنے سے خیالات بھی بوڑھے ہو گئے اور دل بھی ڈوب گیا۔

مسعودی کی سیاحت:

گا ہے سمندر میں گزرتی ہے اور اور گا ہے پشت زمین پر بسر ہوتی ہے اقوام کے نوادر کا مشاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اقلیم کے خواص کا خود معاینہ کر کے جانچ کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً ہمارا سفر سندھ، زنگبار، صنف چین، رانج، مشرق و مغرب کی سیاحت کو کبھی تو اقصائے خراسان میں ہیں کبھی وسطہ آرمینیا اور آذربائیجان میں ہیں کبھی سوات و طالقان میں ہیں کبھی عراق میں ہیں کبھی شام میں ہیں گویا جس طرح کسی نے کہا ہے میری سیاحت کہ آفاق میں ہے ایسی ہی سیاحت آفتاب کی اشراق میں ہے۔

تیمہ اقطار البلاد فتارة

لدى شرقها الاقصی و طور الی الغرب

(اس نے تمام اقطار و اطراف زمین کے گشت کا ارادہ کر لیا ہے اور یہی باعث ہے کہ کبھی

تو مشرق اقصیٰ میں ہوتا ہے اور کبھی مغرب میں۔)

مری الشمس لا ینفک تفتعه النوی

الی اُفقِ ناءِ یقصر بالرکب

(وہ ہمیشہ آفتاب کی طرح چلتا ہی رہتا ہے ابھی اس کنارہ پر تھا۔ ابھی دوسرے کنارہ پر

پھینک دیا گیا۔ یہ ایسی چال ہے کہ قافلہ کے سوار بھی اس کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔)

سیاحت کے خصائص نوعی:

پھر خالی سفر ہی نہیں طرح طرح کے سلاطین و ملوک کے متعلق غور کرنا اور نتیجہ صحیح نکالنا

باوصف اس کے کہ وہ خود ہلاک ہو چکے ہیں ان کے اخلاق و آداب کے آثار تک باقی نہیں اس کی

ہمتوں اور حوصلوں میں جو تضاد تھا۔ ان کے ممالک میں جس قدر فاصلہ ہے ان سب کو ملحوظ رکھنا اور

ہر ایک کا مسلک جانچنا اور قرار دینا یہ کوئی سرسری امور نہیں۔

انقلابِ روزگار:

لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم کے آثار مٹ گئے۔ علمی روشنی کے منارے گر گئے۔ غمی و بلید تو بہت ہیں۔ مگر ذی فہم تھوڑے ہی رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اب جسے دیکھو وہ بناوٹی ہوگا، جاہل ہوگا، عطائی یا دخیل ہوگا، ناقص ہوگا، جو ظن و گمان و حدس و تخمین پر قانع ہے۔ اور علم و یقین سے اندھا ہو گیا ہے بایں ہمہ علوم کے اس صنف میں لوگ مشغول رہتے چلے آئے ہیں اور آداب کے اس فن کے لئے اپنے آپ کو خاص بھی کرتے رہے ہیں۔ تا آنکہ ہم نے اپنی کتابیں مختلف مضامین اور گونا گوں مذاہب کے متعلق کیں۔ مثلاً

مذہبی تصنیفات:

- (۱) الابانہ عن اصول الدیانہ اس میں مذہب کے اصول بیان کئے ہیں۔
- (۱) کتاب المقادیر فی اصول الدیانہ، اس میں اصول مذاہب کے متعلق مقداری بحث ہے۔
- (۲) کتاب سر الحیات یعنی زندگی کا راز کیا ہے۔
- (۳) نظر الاولیٰ فی اصول الہملہ، اس کتاب میں بہت سے لطیف مباحثے ہیں مثلاً اصول، فنون، قوانین احکام، قیاس کا یقینی ہونا، احکام میں اجتہاد، رائے و استحسان کا وقوع، فاسخ و منسوخ کی پہچان، کیفیت و ہائیت اجماع معرفت خاص و عام، ادا امر و نواہی، منع (حرمت) و اباحت احادیث جن سے استفاضہ ہوتا ہے۔ آحاد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کہ اسی ضمن میں اصول فتویٰ و مناظرہ مخالفین بھی ہے جن جن باتوں میں لوگوں نے ہم سے مناظرے کئے تھے اور جن کے بعض حصوں میں وہ ہم سے متفق ہو گئے ان کے واقعات بھی دیئے ہیں۔
- (۴) الاستبصار فی الامامۃ، یہ مسئلہ امامت و خلافت کی بحث میں ہے اس باب میں اربابِ نص و تاریخ کے جو اقوال ہیں جو لوگ امامت کے متعلق نص کے قائل ہیں اور جو واقعات کی بناء پر اس کے منکر ہیں اس میں ہر ایک فریق کے مفصل دلائل مذکور ہیں۔
- (۵) الصفوۃ فی الامامۃ، یہ بھی امامت کی بحث میں ہے۔

علمی تصنیفات:

اس کے علاوہ ہماری دوسری عام کتابیں جو علوم ظاہر و باطن و مخفیات و ماضیات کے متعلق

ہیں جن کے ذریعہ سے ہم نے طبیعتوں کو اس حد تک بیدار کیا ہے جس حد تک کہ ترقی کرنے والے ترقی کر سکتے ہیں۔ اور محدثین ایسی ترقی کے متوقع ہیں مثلاً وہ باتیں جو اہل علم نے ان چمکتی ہوئی روشنیوں کے باب میں کہی ہیں کہ زمین پر ان کی چمک دکھائی دیتی ہے۔ اور قحط سالی و خوش حالی کے زمانوں میں وہ بھی پھیلتی ہیں اور بسط پذیر ہوتی ہیں اسی طرح وہ مسائل جو فتنہ و فساد و جنگ و جدال کے بعد پیدا ہوتے ہیں جن کے واقعات و حالات ظاہر ہوا کرتے ہیں اور ان کے اوائل کی حقیقت کھلی کھلی روشن و مستنیر ہوتی ہے غرض کہ ہماری تمام باقی کتابیں بھی جو سیاست کے مباحث و مطالب میں ہیں وہ بھی ایسی ہی ہیں مثلاً۔

بعض مصنفات علمیہ:

- (۶) کتاب السیاحۃ المدنیۃ۔ تمدن و تہذیب کے بیان میں۔
 - (۷) اجزاء المدنیۃ۔ تمدن و تہذیب کی علمی و فلسفی تقسیم۔
 - (۸) الاجزاء لطبیعیۃ۔ فزیکل سائنس میں۔
 - (۹) انقسام الاجزاء۔ سائنس کی تعمیل میں۔
 - (۱۰) تکور المدنیۃ۔ تمدن کیوں کر خراب ہو جاتا ہے۔
 - (۱۱) تکور الطبیعیۃ۔ سائنس میں کیوں کر خرابی آتی ہے۔
 - (۱۲) انقسام اجزاء المملتہ۔ مذہب و قوم کا شیرازہ کیونکر بکھرتا ہے۔
 - (۱۳) الابانۃ عن المواد۔ روئے زمین پر اصلی مادے کیا کیا اور کون کون سے ہیں۔
 - (۱۴) کیفیت و ترکیب العوالم۔ اس کتاب میں بتایا ہے کہ عالم کی ترکیب کن کن اجزاء سے ہے۔ اجرام افلاک کیا ہیں ان میں کون کون سے محسوس اور کون کون سے غیر محسوس ہیں کن کن میں کثافت ہے کن کن میں لطافت ہے اور اہل مذاہب نے اس باب میں کیا کیا باتیں کہی ہیں۔
- یہ کتاب (مروج الذهب) تاریخ میں ہے واقعات عالم میں ہے زمانہ ماضیہ کے تذکرے میں ہے کہ کیسے کیسے پیغمبر، کیسے کیسے بادشاہ گزرے ہیں جن کی سیرتیں کس کس نہج کی تھیں۔ اسی طرح اقوام و ممالک کے حالات میں ہے کہ کون کون سی قومیں کن کن ملکوں میں آباد ہوئیں۔ اور انہوں نے کیا کیا آبادیاں بسائیں۔

اس کتاب کی تالیف سے میری ایک غرض تو یہ ہے کہ اہل علم و ارباب حکمت نے تصنیف

وتالیف سے جو مقصد رکھا ہے مجھے اس سے محبت ہے اور میں اس کی پیروی کرنا چاہتا ہوں دوسرا مدعا یہ ہے کہ عالم میں اس تالیف کے ذریعہ سے ایک عمدہ یادگار قائم ہو اور عہد قدیم کا ایک مرتب علم موجود رہے۔

مصنفین کی ہم نے مختلف حالتیں پائی ہیں بعض تو بہ کمال جودت اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوئے ہیں بعض کو تاہ دست نکلے ہیں بعض منتہی ہیں کہ پوری پوری باتیں بیان کرتے ہیں بعض اختصار کے خوگر ہیں۔

ہم نے واقعات بھی جانچے ہیں کہ جتنے دن زیادہ ہوتے گئے۔ اتنے ہی وہ بھی زیادہ ہوتے گئے اور نئے نئے زمانے میں نئے نئے حالات نکلتے آئے بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ماہر فن تاریخ ایک دوسرے ذکی و فطین مورخ کی عیب گیری کرتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو شخص جتنی توجہ کرے گا اپنے ذوق و عمل کے مطابق اسی تناسب سے بہرہ ور ہوگا۔ ہر شخص کا ایک خاص حصہ ہے جو اسی سے مخصوص ہے جو اپنے ہی وطن میں گوشہ گزین ہو اور اپنی ہی اقلیم کے واقعات پر قانع رہے وہ ایسے وسیع النظر کا ہم پایہ کیونکر ہو سکتا ہے جس نے جہاں گردی کے لئے اپنی زندگی منقسم کر دی ہو اور سیاحت اقطار ارض کی غرض سے اپنے ایام عمر تقسیم کر ڈالے ہوں۔ سفر کے مصائب برداشت کر رہا ہو ہر ایک دقیق امر کا اس کے خاص معدن سے استخراج و استنباط کرتا ہو۔ اور ہر ایک نفس شے کو اس کے منبع و مخزن سے نکالتا ہو۔

قدمائے مورخین:

تاریخ اور واقعات میں متقدمین و متاخرین نے بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ ان میں بعض تو پورے اترے۔ اور بعض نے غلطیاں کیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر ایک نے خواہ وہ مصیب ہو یا مخطی انتہا درجہ کی امکانی کوششیں کیں۔ اور تصنیفات میں اپنی فطانت کے پوشیدہ جواہر نمایاں کئے مثلاً۔

(۳) واقدی

(۵) ابن الکلبی

(۶) ابو عبیدہ

(۱) وہب بن منبہ

(۲) ابو خلف لوط بن یحییٰ العامری

(۳) محمد بن اسحاق

- (۷) معمر بن المثنیٰ
 (۸) ابوالعباس ہمدانی
 (۹) بیشم بن عدی انطائی
 (۱۰) مشرقی بن القطامی
 (۱۱) حماد راویہ
 (۱۲) اصمعی
 (۱۳) سہل بن ہارون
 (۱۴) عبداللہ بن المقفع
 (۱۵) یزیدی
 (۱۶) محمد بن عبداللہ العبثی
 (۱۷) آدمی
 (۱۸) ابوزید سعید بن اوس الانصاری
 (۱۹) نصر بن شمیل
 (۲۰) عبداللہ بن عائشہ
 (۲۱) ابو عبید اللہ القاسم بن سلام
 (۲۲) علی بن محمد المدائنی
 (۲۳) دمار بن ربیع بن سئمہ
 (۲۴) محمد بن سلام الجحی
 (۲۵) ابو عثمان عمرو بن عمر الجاحظ
 (۲۶) ابوزید عمرو بن شیبہ النمیری
 (۲۷) نورقی انصاری
 (۲۸) ابوسائب مخزومی
 (۲۹) علی بن محمد بن سلیمان النوفلی
 (۳۰) زبیر بن بکار
 (۳۱) انجلی
 (۳۲) ریاشی
 (۳۳) ابن غاندہ
 (۳۴) عمار بن وسیمۃ المصری
 (۳۵) عیسیٰ بن لہیعقہ المصری
 (۳۶) عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالحکیم المصری
 (۳۷) ابو حسان الزیادی
 (۳۸) محمد بن عیسیٰ الخوارزمی

مورخین مابعد

- (۳۹) ابو جعفر محمد بن ابی السری
 (۴۰) محمد بن ابیشم بن شباتہ الخراسانی مولف کتاب الدولتہ
 (۴۱) اسحاق بن ابراہیم الموصلی مولف کتاب الاغانی وغیرہ
 (۴۲) خلیل بن ابیشم الخرمی مصنف کتاب الحیل کتاب الکاغذ فی الحروب وغیرہ
 (۴۳) محمد بن یزید المبرزوالا ازومی
 (۴۴) محمد بن سلیمان المنقری الجوہری
 (۴۵) محمد بن زکریا العلانی المصری مصنف کتاب الاجرا وغیرہ
 (۴۶) ابن ابی الزینی مودب و معلم و اتالیق امیر المومنین الملقب باللہ العباسی خلیفہ بغداد

(۴۷) احمد بن محمد الخزاعی المعروف بالخاقانی (۵۳) علی بن مجاہد مصنف اخبار الامویین وغیرہ الانطاکی

(۴۸) عبداللہ بن محمد بن محفوظ البلدی الانصاری (۵۴) محمد بن صالح بن انطاح مصنف کتاب رقیق ابو یزید عمارہ بن زید الیمنی

(۴۹) محمد بن البرقی بن خالد الرقی الکات (۵۵) یوسف بن ابراہیم مصنف کتاب اخبار الدولۃ العباسیہ وغیرہ مصنف کتاب السبشیان ابراہیم المہدی وغیرہ

(۵۰) احمد بن محمد بن خالد البرقی (۵۶) محمد بن الحارث الثعلبی مصنف اخبار المملوک جو فتح بن خاتون وزیر کے لئے تصنیف ہوئی تھی

(۵۱) احمد بن ابی طاہر مصنف اجنار بغداد وغیرہ (۵۷) ابوسعید اسکری مصنف کتاب ادبیات العرب (۵۲) ابوالوشاء

ایک نامور مورخ:

(۵۸) عبداللہ بن حسن بن دار یہ ایک ایسے نامور مورخ تھے کہ تالیف میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا۔ ان کی تصنیف کمال ملاحظت کا نمونہ تھی طرح طرح کے مسائل و امور میں انہوں نے کتابیں تصنیف کیں۔ جس کو ان پر اعتماد تھا اس نے اس کا اتباع کیا ان سے فوائد حاصل کئے ان کی پیروی کی اور ان کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ یہ دعویٰ بے دلیل باور نہ آئے اور اس کی صحت مطلوب ہو۔ تو ابن دار یہ کی تاریخ کبیر دیکھو جو ان تمام کتابوں سے زیادہ اپنے حدود کی جامع ہے نظم و ترتیب میں سب سے انوکھی شکل رکھتی ہے۔ سب سے بہتر معلومات اس سے حاصل ہوتی ہیں واقعات اقوام و سلاطین عجم اور ان کے حالات سیرت میں یہ کتاب اجمع الجوامع ہے۔

ابن دار یہ کی نفیس کتابوں میں ایک ”المسالك والممالک“ بھی ہے۔ الجوعم جغرافیہ میں ہے اس کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جو تلاش کرنے پر مل جاتی ہیں اور مطالعہ کرنے پر ان کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

چند جامع تاریخیں:

(۵۹) محمد علی کی کتاب التاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر آں حضرت

کی وفات تک کے واقعات ہیں پھر آنحضرت علیہ السلام کے بعد سے خلفاء و سلاطین کے حالات معتضد باللہ عباسی کے عہد خلافت تک بیان کئے ہیں۔ ہر ایک خلیفہ یا بادشاہ کے زمانہ میں جو جو اور جیسے جیسے ماجرے پیش آتے رہے یہ کتاب سب کی جامع ہے اور سب کے حالات اس میں مذکور ہیں۔

(۶۰) احمد بن علی البلاذری کی کتاب المنسب قبائل عرب اور ان کے خاندانوں کے تذکرہ میں ہے اور بلاذری کی کتاب البلدان جس میں شہروں اور ملکوں کی فتوحات کے حالات ہیں کہ کون کون سے مقامات بذریعہ صلح مسخر ہوئے اور کون کون سے بزور شمشیر مفتوح ہوئے۔ اس کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے کی ہے اور آنحضرت کے عہد مبارک میں جو مقامات فتح ہوئے تھے پہلے ان کا بیان ہے پھر خلفائے مابعد کی عہد بہ عہد فتوحات کا ذکر ہے۔ اس ذیل میں جتنے واقعات پیش آئے ہیں سب کی تشریح کی ہے اور مشرق و مغرب و جنوب کے تمام زیر نظر مقامات کی کیفیت بھی بیان کر دی ہے ہم کو معلوم نہیں کہ فتوح البلدان میں اس سے بہتر کتاب بھی کسی نے لکھی ہے۔

(۶۱) داؤد بن جراح کی "التاریخ الجامع" جو ایرانیوں کے اکثر حالات کی جامع ہے اور ان کے علاوہ دوسری اقوام کے حالات بھی دیئے ہیں یہ مصنف دولت عباسیہ کے وزیر اعظم علی بن عیسیٰ بن داؤد بن الجراح کا دادا تھا۔

(۶۲) ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن الفراء المعروف بہ خواہر زادہ عیسیٰ بن برخان شاہ (فرخان شاہ) کی تاریخ میں ہر ایک زمانہ کے گونا گوں واقعات اور بوقلموں حالات جمع ہیں۔ جو اسلام سے پہلے گزرے تھے۔ یا جو اسلام کے بعد وقوع پذیر ہوئے ہیں یہ کتاب ۳۲۰ھ میں تصنیف ہوئی اور اس سن تک کے واقعات اس میں مذکور ہیں۔

(۶۳) ابو عیسیٰ بن انجم کی تاریخ جس میں پیغمبروں اور بادشاہوں کے واقعات حسب روایت تورات لکھے ہیں اور ان پر اضافہ بھی کیا ہے۔

(۶۴) عبد الرحمن بن خالد بن ہشام الامونی کی تاریخ جو بنی امیہ کے حالات میں ہے کہ اس میں ان کے فضائل و مناقب بیان کئے ہیں اور دکھایا ہے کہ دوسروں سے وہ کن کن مراتب میں ممتاز ہیں اور اپنے زمانہ میں انہوں نے کیا کیا کام کئے ہیں اور ان کی سیرتیں کیسی تھیں۔

(۶۵) قاضی ابوبشر دولابی کی تاریخ۔

(۶۶) محمد بن خلف بن وکیع کی تاریخ جو ایک قابل عزت کتاب ہے اور جس کے مصنف قاضی تھے۔

(۶۷) محمد بن خالد البہاشمی کی تاریخ ”ایسروالاخبار“۔

(۶۸) اسحاق بن سلیمان البہاشمی کی تاریخ ”ایسروالاخبار“۔

(۶۹) ابوبکر محمد بن زکریاء رازی کی کتاب ”سیر الخلفاء“ یہ مصنف طبیب بھی تھا اور طب میں ”منصوری“ وغیرہ اس کی متعدد کتابیں ہیں۔

(۷۰) عبداللہ بن مسلم بن قیقبۃ القدنی جہن کی بکثرت کتابیں اور بہت ہی وسیع ترین تصنیفات ہیں مثلاً ان کی کتاب ”المعارف“ اور اسی طری کی دوسری کتابیں۔
بعض ماہرین فن:

(۷۱) ابن جریر۔ ابوجعفر محمد بن جریر البطری کی تاریخ سب سے بہتر ہے۔ جتنی کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں۔ یہ ان سب پر فوقیت رکھتی ہے انواع اخبار کی جامع، فنون آثار پر حاوی، اصناف علم پر مشتمل، بہت ہی سود مند، کثیر الافادہ کتاب ہے۔ کہ اس سے نفع بخش معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اور ایسا ہونے میں کوئی تعجب بھی نہیں۔ کیونکہ اس تاریخ کے مولف اپنے زمانہ کے فقیہ اور علامہ دہر تھے۔ فقہائے روزگار و حاملین احادیث و آثار کے علوم کی انتہا انہیں تک ہے یعنی فقہ اور حدیث و تاریخ کے وہ اتنے بڑے عالم تھے کہ تمام دوسرے علمائے عہد انہیں کے بیان سے سند لیتے تھے۔

(۷۲) نبطویہ۔ ابوعبداللہ ابراہیم بن محمد بن عرفۃ الواسطی الخوی نے بھی یہی روش اختیار کی ہے اور ان کا لقب نبطویہ تھا۔ اور یہ علم نحو میں بھی فاضل تھے۔ ان کی تاریخ ملاحظت اور فوائد سے لبریز ہے اور خواص اہل علم و سردران فن کے لطائف معلومات کی بہترین شان رکھتی ہے۔ وہ اپنے زمانہ میں سب سے اچھے مولف اور سب سے زیادہ ملیح التصنیف تھے۔

(۷۳) صولی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن یحییٰ الصولی بھی اسی زمرہ میں ہیں۔ اور ان کی کتاب الاوراق بھی اسی قبیل کی ہے جس میں خلفاء بنی عباس، خلفائے امیہ شعرائے عہد دولت عباسیہ و امویہ، اور ان دونوں سلطنتوں کے وزراء و ارکان دولت کے حالات ہیں۔ اس میں ایسی ایسی انوکھی باتیں بیان کی ہیں جن سے تمام دوسرے مؤرخ قاصر رہے۔ کتنے ہی امور و اشیاء ہیں جن کے بیان میں وہ منفرد ہیں۔

(۷۴) لا حقیقین بہ سابلقدین۔

ابوالقاسم جعفر بن محمد بن حمدان الموصلی الفقیہ نے اپنی تاریخ ”کتاب الاخبار“ کے ذریعہ سے کتاب ”الروضہ“ کا معاوضہ کیا ہے۔ اور ”الباہر“ اس کا لقب رکھا ہے۔

(۷۵) ابراہیم بن مامویہ الفارسی نے ”مبرد“ کی کتاب ”الکامل“ کے معاوضہ میں اپنی تاریخ تصنیف کی ہے۔

(۷۶) ابراہیم بن موسیٰ الواسطی الکاتب نے محمد بن داؤد الجراح کی اخبار الوزراء کے معاوضہ میں ایک دوسری ”اخبار الوزراء“ لکھی ہے۔

(۷۷) علی بن الفتح الکاتب المعروف بالمطوق جنہوں نے متعدد وزرائے خلیفہ المتقدربا اللہ العباسی کے حالات لکھے ہیں۔

(۷۸) مؤرخ مصری۔ مؤلف تاریخ زہرة العیون وجلاء القلوب۔

(۷۹) عبدالرحمن بن عبدالرزاق المعروف بالجوزجانی السعدی مؤلف تاریخ!

(۸۰) ابو ذکوة الموصلی مؤلف تاریخ موصلی۔

(۸۱) احمد بن ابی یعقوب المصری مؤلف ”اخبار العباسین“۔

(۸۲) عبداللہ بن الحسین بن معد الکاتب مؤلف اخبار الخلفاء بنی العباس وغیرہم۔

(۸۳) محمد بن مزید بن ابی الازہر مؤلف کتاب ”الہراج والاحداث“۔

ایک مورخ نما دخیل:

میں نے دیکھا کہ سنان بن ثابت بن قرۃ الجرجانی نے وہ فن اور وہ طریقہ اختیار کیا۔ جو اس کا فن اور اس کا طریقہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اس میں دخیل بننا چاہتا تھا اس نے ایک کتاب تالیف کر کے اپنے ایک انشا پرداز ایک صاحب قلم دوست کو بھیجی۔ جس کی ابتداء میں اخلاق کے جامع مباحث ہیں۔ آداب نفس کے تذکرے ہیں نفس کی تین قسمیں ہیں (۱) نفس ناطقہ (۲) نفس غصبیہ (۳) نفس شہوانیہ۔ سیاست اور تمدن کے مسائل بھی ایسے ہی لکھے ہیں جیسے افلاطون نے اپنی کتاب ”السیاستہ المدنیہ“ میں لکھے تھے کہ اس کے دس مقالے ہیں اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ بادشاہ اور وزیروں پر کیا کیا واجب ہے جس میں ایسے واقعات بھرے ہیں کہ دیکھے تک نہ تھے۔ مگر فی زعمہ یہ سب اس کے نزدیک صحیح و درست ہے اس سلسلہ کو خلیفہ المعتصد باللہ کے

واقعات سے ملا دیا ہے۔ اور اپنا تذکرہ بھی کیا ہے کہ خلیفہ کی صحبت میں اس کے پچھلے دن کیسے گزرے۔ یہ لکھ کر اور بھی ترقی کی ہے کہ ایک ایک خلیفہ کی تاریخ لکھی ہے لیکن تاریخ کا جو طریقہ ہے اور مؤلفین کا جو انداز ہے یہ کتاب ان سب سے الگ ہے بلکہ سب کی صند ہے۔

ثابت بن قرہ کی تاریخ تو فی نفسہ اچھی ہے اور معانی تاریخ کے دائرہ سے باہر نہیں ہے۔ مگر عیب یہ ہے کہ وہ اپنے مرکز فن سے باہر نکل آیا۔ اور بہ تکلف ایسا کام شروع کیا جو اس کا پیشہ نہ تھا۔ جس علم میں وہ منفرد و یکتا مانا جاتا تھا۔ مثلاً علم اقلیدس، معظمتات، محسوطی، مدورات اگر ان معلومات کو لیتا اور سقراط و افلاطون و ارسطو سے افتتاح کرتا اشیائے فلکیہ آثار علویہ، امزجہ، طبیعیہ، نسبت، تالیفات، نتائج، مقدمات صنائع مرکبات، معرفت طبیعیات، الہیات، جواہر، ہیپیات، مقدار اشکال وغیرہ انواع فلسفہ کے مسائل لکھتا تو اس تکلف سے بچ جاتا ہے۔ اور ایسا کام کئے ہوتا جو اس کے شایان شان سمجھا جاتا لیکن اپنی قدر کے جاننے والے کہاں کہ منزلت شناس تو مفقود ہیں۔

عبداللہ بن مقفع کا مقولہ ہے۔

”جس نے کوئی کتاب تصنیف کی۔ اس نے اپنے آپ کو تیروں کا آماجگاہ بنایا۔ اگر کتاب اچھی ہوئی تو جو یائے عزت قرار پایا۔ اور اگر بُری ہوئی تو جو عزت تھی اس کو بھی گنوا یا۔

محدثین و علمائے رجال:

ہم نے اس میں صرف انہیں تاریخوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کے مصنفین و مؤلفین مشہور ہیں۔ وہ تاریخیں قصداً ترک کر دی گئی ہیں۔ جو محدثین نے اسمائے رجال (حدیث دریافت کرنے) کے لئے لکھی ہیں۔ اور ان کے زمانے اور طبقات ظاہر کئے ہیں کیونکہ یہ ہمارے موضوع کلام سے جسے اس کتاب میں ہم لانا چاہتے ہیں ایک زائد امر ہے اس لئے کہ حاملان آثار و احادیث و تاقان سیر و اخبار نبوی و طبقات اہل علم صحابہ و تابعین اور ہر عہد کے بزرگوں کے حالات بہ اختلاف انواع و تنازع آراء جن میں فقہائے و اہل الرائے و ارباب مذاہب و متکلمین سب شامل ہیں۔ تاہم ۳۳۳ھ ہم اپنی تصنیف اخبار الزمان و کتاب الاوسط میں درج کر چکے ہیں۔

مبادی:

بہ لحاظ نفاست مضامین و اہمیت مطالب کہ جن خاطر و خیالات عظیمہ پر یہ کتاب حاوی

ہے۔ وہ معنوی طور پر ہماری گزشتہ کتابوں کے طالع اسی پر مشتمل ہے۔ اور ہماری تالیفات کی روشن تلمیحات اس میں ہیں میں نے اس کتاب کا نام ”مروج الذهب و معاون الجواہر“ رکھا ہے جس کے معنی ہیں ”سونے کے مرغزار اور جواہرات کی کانیں“۔

اس کتاب کی خصوصیت:

میں نے اس کتاب کو شرفائے ملوک و اہل نظر کے لئے تحفہ قرار دیا ہے کہ جو ضرورتیں داعی ہوتی ہیں اور طبیعتوں کو جن معلومات کے فراہم کرنے میں انہماک ہوتا ہے۔ وہ سب اس میں ہیں اور جو کچھ پہلے گزر چکا ہے اس کی درایت کا یہ وسیلہ ہے ہماری مصنفات سابقہ کے جو مقاصد ہیں وہ بھی اس کتاب میں شامل ہیں اور ایسے جامع امور بھی ہیں جن کا جاننا ایک دانشمند ادیب کے لئے موجب زینت ہے اور جن سے تغافل برتنے میں ان کو کبھی معذور نہیں قرار دیا جاسکتا۔ غرض کوئی نوع علم، کوئی صنف خبر اور کوئی طریق اثر ایسا نہ ہوگا جس کا تذکرہ تفصیلاً یا اجمالاً یا شاعرانہ اس کتاب میں نہ ہو یا کم سے کم فحوائے کلام ہی سے اس کی جانب ایمانہ ہوتا ہو۔

انداز:

کوئی شخص اگر اس کتاب میں کچھ تحریف کرے یا اس کی بنیاد میں سے کوئی رکن ہٹا دے یا کسی امر و واضح کو تاریک بنا دے یا عنوانات میں اشتباہ ڈال دے یا تغیر کرے یا بدل دے یا اپنی طرف سے کچھ بھر دے یا مختصر کر دے یا ہمارے سوا کسی دوسرے کی جانب اس کو منسوب کرے تو خدا کا وہ غضب وہ عذاب وہ بلا اس پر نازل ہو جس کے مقابلہ سے اس کی قوت صبر و تحمل عاجز آئے۔ تخیل وقف حیرت ہو جائے۔ خدا اس کو سارے جہان کے لئے مثلہ بنائے (مثلاً وہ شخص جس کے ناک کان وغیرہ کاٹے گئے ہوں) اور عبرت اندوزوں کے لئے سرمایہ عبرت قرار دے اور تعزیر کی وہ ایک نشانی ہو قدرت کاملہ نے جو کچھ اسے عطیہ دیا ہو سب چھین لے اور قوت و نعمت کے جو انعامات اسے ملے ہوں بدیع السموات والارض ان سب کے درمیان حائل ہو جائے۔ خواہ وہ کسی مذہب و ملت و عقیدہ کا کیوں نہ ہو اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کتاب کی ابتداء و انتہا دونوں اسی تخویف پر مشتمل ہیں کہ ہو او ہوس یا شقاوت جس پر غالب ہو اس کو روک سکے۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ اپنے پروردگار کے حکم کو نگاہ میں رکھے اور انقلاب حالت سے ڈرتا اور بچتا رہے کہ مدتِ عمر قلیل مسافتِ قصیر اور جانا خدا کے پاس ہے۔

اب وقت ہے کہ اس کتاب کے جو ابواب ہیں اور ہر باب جن جن مضامین پر حاوی ہے

ان سب کا جمالی تذکرہ کر دیا جائے۔

ابواب کتاب:

آغاز کتاب میں ہم نے اس تصنیف کے اغراض بیان کر دیئے ہیں۔ اب اس کے تمام ابواب و فصول کی حسب ترتیب و مدارج استحقاق تشریح کئے دیتے ہیں کہ خواہشمندوں کے لئے یہ کتاب قریب التناول ہو جائے یعنی باسانی وہ اس کو پڑھ سکیں کہ کن کن مطالب کا اس تصنیف نے احاطہ کر رکھا ہے۔

(۱) سر آغاز آفرینش۔ شانِ تکوین۔ مخلوقات کا پیدا ہونا۔ اور پراگندہ ہو جانا۔ از آدم تا بہ ابراہیم علیہا السلام۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات۔ انبیاء و ملوک۔ مابعد کے حالات۔ جو بنی اسرائیل میں ہوئے۔

(۳) ارجیم بن سلیمان بن داؤد کی سلطنت۔ بنی اسرائیل کے ملوک۔ مابعد کی کیفیت۔ اسرائیلی پیغمبروں اور بادشاہوں کے تذکرے۔

(۴) تذکرہ اہل فترت۔ یعنی وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے بعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے گزرے۔

(۵) ہندوستان کے حالات۔ ارباب ہندوستان کے حالات۔ ان کے ملوک اور ممالک کی مدتیں۔ ان کی سیرتیں۔ عبادات میں ان کے اعتقادات۔

(۶) کرہ ارض۔ سمندر۔ نہروں اور پہاڑوں کا مبدء ہفت اقلیم اور جو کواکب ان سے متعلق ہیں وغیر ذالک۔

(۷) سمندروں کا منتقل ہو جانا اور بڑی بڑی نہروں اور دریاؤں کا بیان۔

(۸) بحر جش کے حالات اور جو باتیں اس کی مقدار اس کے شعبوں اور اس کی خلیجوں کے متعلق بیان کی گئی ہیں۔

(۹) مد و جزر میں لوگوں کے مباحثات اور اس ذیل میں جو کچھ کیا گیا ہے اس کا مجموعہ۔

(۱۰) بحیرہ روم اور اس کے طول و عرض و ابتداء و انتہا کے متعلق اقوال۔

(۱۱) بحر بیطش و بحر مانطش و خلیج قسطنطنیہ۔

- (۱۲) بحر باب۔ بحیرہ خزر۔ بحر جرجان۔ اور تمام سمندروں کا ترتیبی بیان۔
- (۱۳) تذکرہ سلاطین چین و ترک نسل عابور کا متفرق ہو جانا حالات چین و ملوک چین جامعہ سیرت و سیاست۔
- (۱۴) سمندروں میں اور ان کے ارد گرد کیا کیا عجائب ہیں کون کون سی قومیں ہیں۔ پادشاہوں کے مراتب و مدارج۔ دیگر ذالک۔
- (۱۵) تذکرہ جبل لفتح۔ واقوام لان و سریر۔ و انواع ترک و بلغار و ذکریاب و ابواب۔ اور جو جو بادشاہ اور قومیں ان کے حوالی میں ہیں۔
- (۱۶) سریانیوں کے پادشاہ۔
- (۱۷) بادشاہان موصل و نینوا جو صوری تھے۔
- (۱۸) بادشاہان قبائل نبط و غیرہ جو کلدانی تھے۔
- (۱۹) اولین سلاطین ایران۔ ان کی سیرت۔ ان کے حالات پر ایک مجموعی نظر۔
- (۲۰) ملوک طوائف۔ یعنی شاہان اشقانی۔ جو اولین دور میں سلاطین فارس کے درمیان گزرے ہیں۔
- (۲۱) فارسیوں کا سلسلہ نسب اقوال مذکورہ۔
- (۲۲) ساسانی پادشاہ (سلاطین ایران کا سلسلہ ثانیہ) پادشاہوں کی سیرت مجموعی حالات۔
- (۲۳) سلاطین یونان کے حالات۔ ان کے سلسلہ نسب کے بارہ میں بعض اقوال۔
- (۲۴) ہندوستان میں سکندر کی جنگ (مجموعی تذکرہ)۔
- (۲۵) شاہان یونان جو سکندر کے بعد گزرے۔
- (۲۶) شاہان روم (رومان) آغاز سلسلہ نسب تعداد سلاطین تاریخ سنین۔ مجموعہ سیرت۔
- (۲۷) شاہان روم جو عیسائی ہو گئے کہ قسطنطنیہ کے پادشاہ ہی تھے ان کے عہد کے روشن واقعات۔
- (۲۸) شاہان روم بوقت ظہور اسلام تا بے حدار سینوس جو ۳۳۲ھ میں روم کا بادشاہ تھا۔
- (۲۹) مصر۔ رود نیل۔ حالات عمارات۔ عجائب و غرائب شاہان مصر کے واقعات۔
- (۳۰) سودان۔ سلسلہ نسب۔ اختلاف اجناس و انواع۔ مقامی بتائیں۔ حالات ملوک۔
- (۳۱) فرنگی۔ جلالقہ۔ ان کے پادشاہ۔ ان کے حالات و سیرت کا مجموعہ باشندگان اندلس کے

ساتھ ان کی لڑائیاں۔

- (۳۲) نوکبرو۔ ملوک نوکبرو۔ مسالک۔ راہیں اور سڑکیں۔
 (۳۳) قوم عاد۔ ملوک عاد مجموعی حالات طول عمر کے متعلق اقوال۔
 (۳۴) قوم ثمود۔ ملوک ثمود۔ پیغمبر ثمود حضرت صالح علیہ السلام کے مجموعی حالات۔
 (۳۵) مکہ۔ حالات مکہ۔ بنائے بیت اللہ (کعبہ شریف) قبائل جرہم وغیرہ جو یہاں آباد ہوئے
 متعلقات باب۔

- (۳۶) کرہ زمین اور اس کے شہروں اور ملکوں کا مجموعی تذکرہ اشتیاق نفس بہ وطن۔
 (۳۷) یمن کو یمن کیوں کہا گیا شام کو شام کیوں کہا گیا۔ عراق و حجاز کو عراق و حجاز کیوں کہا گیا۔
 اختلافات و مباحثات۔

- (۳۸) قبائل یمن۔ ملوک یمن۔ تابعہ وغیرہم۔ سیرت۔ مقدار سنین۔
 (۳۹) حیرہ کے یمنی وغیرہ یمنی پادشاہ ان کے حالات۔
 (۴۰) شام کے یمنی وغیرہ یمنی پادشاہ ان کے حالات۔
 (۴۱) صحرائین قومیں اہل بادیہ (عرب وغیر عرب) یہ قومیں صحرائین کیوں ہیں پہاڑی کرو
 سلسلہ نسب مجموعی حالات وغیرہا جو اس باب سے ملتے جلتے واقع ہوئے ہیں۔
 (۴۲) مذاہب عرب۔ معتقدات جاہلیت۔ ممالک میں متفرق ہو جانا۔ اصحاب فیل۔ حبشیوں
 کے حالات (وغیرہم) عبدالمطلب وغیرہ ملحقیات باب۔
 (۴۳) نفس کے متعلق عربوں کے مذاہب ہام صفران کے حالات۔
 (۴۴) غولوں کے متعلق عربوں اور غیر عربوں کے اقوال ملحقیات باب۔
 (۴۵) ہاتفِ غیب اور جن کے متعلق عربوں اور غیر عربوں کے اقوال جو ان کو مانتے ہیں اور جو
 نہیں مانتے ہیں۔

- (۴۶) مذاہب عرب متعلق بہ قیافہ۔ عیافہ۔ زجر۔ سانح۔ بازج وغیرہ۔
 (۴۷) کہانت۔ کیفیت کہانت۔ اقوال۔ حالات۔ نفس ناطقہ وغیرہ کی حدیں۔ خواب کی باتیں
 وغیرہا جو اسی باب سے ملتے جلتے واقع ہوئی ہیں۔
 (۴۸) کاہنوں کے حالات میل عرم ارض سبارب قبائل ازد کا انتشار و تفرق غیر ممالک میں ان
 کا آباد ہونا مجموعی حالات۔

- (۴۹) عرب کے سنہ۔ عجم کے سنہ۔ عربی مہینے۔ عجمی مہینے۔ متفقہات مختلفات۔
- (۵۰) قبلی مہینے۔ سریانی مہینے۔ سنوآت۔ اختلاف اسماء تاریخ کے متعلق مجموعی بحث۔
وما يتصل به۔
- (۵۱) سریانی مہینوں کی موافقت رومی مہینوں سے تعداد ایام سنہ۔ پختروں کی پہچان (یا آثار کواکب)۔
- (۵۲) ایرانی مہینے وغیرہ۔
- (۵۳) ایرانیوں کا زمانہ۔ حالات وغیرہا۔
- (۵۴) سنین عرب۔ شہور عرب۔ روز و شب کے نام۔
- (۵۵) قمری مہینوں کی راتیں۔ عربوں کے اقوال وغیرہا۔
- (۵۶) عالم پر آفتاب و ماہتاب کی اثر اندازی مجموعی حالات وغیرہا۔
- (۵۷) انواع عالم۔ اجزائے شرقی و غربی و یمنی (شمالی) و جنوبی جو تسلط کواکب کے ساتھ مختص ہیں عجائب عالم وغیرہا۔
- (۵۸) یونانیوں کے بقاع متبرکہ اور ان کی کیفیت۔
- (۵۹) صقلیوں کے بقاع متبرکہ اور ان کی کیفیت۔
- (۶۰) قدیم رومیوں کے بقاع متبرکہ اور ان کی کیفیت۔
- (۶۱) حران اور غیر حران کے صابیوں کے بقاع متبرکہ اور ان کی کیفیت۔ اور ان کے عجائب و غرائب اخبار۔
- (۶۲) آتش کدوں کا بیان۔ کیفیت۔ تعمیر اخبار مجوس۔ ملکات عمارت۔
- (۶۳) مجموعی تاریخ عالم۔ از ابتدا تا بہ ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو معلومات کہ اس باب سے ملتی جلتی واقع ہوئی ہیں۔
- (۶۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نسب وغیرہ ملکات باب۔
- (۶۵) حالات بعثت تا بہ ہجرت۔
- (۶۶) مجموعی حالات ہجرت تا بہ وفات۔
- (۶۷) وہ امور و حالات جو آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تا بہ وفات ظہور پذیر ہوتے رہے۔

(۶۸) وہ باتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں اور جو آپ سے پہلے کسی نے نہ کہی تھیں۔

(۶۹) خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ نسب۔ حالات۔ سیرت۔

(۷۰) خلافت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ نسب۔ حالات۔ سیرت۔

(۷۱) خلافت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ نسب۔ حالات۔ سیرت۔

(۷۲) خلافت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ نسب۔ حالات۔ سیرت۔ اور آپ کے بھائیوں اور بہنوں کا سلسلہ نسب۔

(۷۳) مجموعی حالات جو صفین میں اہل عراق و اہل شام کے مابین گزرے۔

(۷۴) فیصلہ کے لئے حکم تقرر ابتداء حکیم۔

(۷۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ اہل نہردان سے جو شراۃ (خوارج) تھے وغیرہ۔

(۷۶) مقتل (شہادت) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

(۷۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال و کلمات و زہد وغیرہ۔

(۷۸) خلافت حسن بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حالات۔ سیرت۔

(۷۹) معاویہ بن ابی سفیان کا زمانہ حالات۔ سیرت۔ نادر واقعات۔

(۸۰) معاویہ کے مجموعی حالات۔ اخلاق۔ سیاست بعض ضروری چیزیں۔

(۸۱) صحابہ۔ مدائح صحابہ علی بن ابی طالب و عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے واقعات اور فضائل۔

(۸۲) مقتل (شہادت) حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما وہ لوگ جو آپ کے اہل بیت اور جماعت میں سے قتل (شہید) ہوئے۔

(۸۳) اسمائے اولاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

(۸۴) یزید بن معاویہ کے حالات۔ سیرت بعض افعال نادرہ جو حرہ وغیرہ میں پیش آئے۔

(۸۵) معاویہ بن یزید کا زمانہ۔ مروان بن حکم مختار بن عبید اللہ۔ عبد اللہ بن زبیر۔ بعض واقعات جو ان ایام میں پیش آئے۔

(۸۶) عبد الملک بن مروان کا زمانہ۔ حالات۔ سیرت۔ حجاج بن یوسف کے افعال و اخبار۔

(۸۷) حجاج بن یوسف کا بیان۔ خطبات بعض افعال۔

- (۸۸) ولید بن عبد الملک کا زمانہ۔ حالات۔ سیرت۔ حجاج نے اس عہد میں کیا کیا کام کئے۔
- (۸۹) سلیمان بن عبد الملک کا زمانہ۔ حالات۔ سیرت۔
- (۹۰) عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم کی خلافت۔ حالات۔ سیرت و زہد۔
- (۹۱) یزید بن عبد الملک کا زمانہ۔ حالات۔ سیرت۔
- (۹۲) ہشام بن عبد الملک کا زمانہ۔ حالات۔ سیرت۔
- (۹۳) ولید بن یزید بن عبد الملک کا زمانہ۔ حالات۔ سیرت۔
- (۹۴) یزید بن ولید بن عبد الملک اور ابراہیم بن ولید بن عبد الملک کے زمانے کے واقعات۔
- (۹۵) قبائل یمن و نزار میں تعصب پیدا ہونے کا سبب اور اس کے متعصبانہ نتائج جو بنی امیہ کے عہد میں نمایاں ہوئے۔
- (۹۶) تذکرہ دولت عباسیہ۔ حالات مردان۔ مقتل مردان اس کی جنگ اور سیرت کے مجموعی حالات۔
- (۹۷) خلافت سفاح۔ حالات سیرت۔ واقعات جو اس عہد میں پیش آئے۔
- (۹۸) خلافت منصور۔ حالات سیرت۔ واقعات جو اس عہد میں پیش آئے۔
- (۹۹) خلافت مہدی۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات جو اس عہد میں پیش آئے۔
- (۱۰۰) خلافت ہادی۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات جو اس عہد میں پیش آئے۔
- (۱۰۱) خلافت ہارون رشید۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات جو اس عہد میں پیش آئے۔
- (۱۰۲) اخبار برا مکہ اور ان کے زمانہ کے واقعات۔
- (۱۰۳) خلافت امین۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
- (۱۰۴) خلافت مامون۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
- (۱۰۵) خلافت معتصم۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
- (۱۰۶) خلافت واثق۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
- (۱۰۷) خلافت متوکل۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
- (۱۰۸) خلافت منصر۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
- (۱۰۹) خلافت مستعین۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
- (۱۱۰) خلافت معتر۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔

- (۱۱۱) خلافت معتمد۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۱۲) خلافت معتضد۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۱۳) خلافت متکفی۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۱۴) خلافت مقتدر۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۱۵) خلافت قاہر۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۱۶) خلافت راضی۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۱۷) خلافت متقی۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۱۸) خلافت مستکفی۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۱۹) خلافت مطیع۔ حالات۔ سیرت۔ واقعات زمانہ۔
 (۱۲۰) ہجرت نبوی سے اب تک کے ۳۳۶ھ ہیں اور اسی سال میں ہم اپنی کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے ہیں مجموعی تاریخ۔

(۱۲۱) ابتدائے اسلام سے ۳۳۵ھ تک کے امیر الحج۔

(۱۲۲) مجموعی ذکر القاب و بیان و اعداد جواہل درایت سے مذکور ہے۔

یہ وہ مباحث جامعہ ہیں جو اس تاریخ کے ابواب میں بیان ہوئے ہیں مگر ان کے علاوہ ہر باب میں اور بھی اخبار و آثار کی ضمن میں انواع علوم و فنون مذکور ہیں جن کا عنوانات میں مذکور نہ ہو سکا۔ تاہم ان میں بھی وہی ترتیب ملحوظ ہے جس کی تفصیل خلفا کی تاریخ اور ان کی عمروں کی مقدار میں ہم پہلے کر چکے ہیں۔ کہ ان کی لمبایات و حالات کے جُدا جُدا فصول ہیں پھر ان کے روشن واقعات ہیں۔ اصلی حقائق سیرت و سریرت ہیں مجموعی حالات زمانہ ہیں۔ احوال و زرائے دولت ہیں انواع علوم و کے متعلق ان کی مجلسوں کے ماجرے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے فحوائے فن و معنی کے لئے ہم اپنی سابق تصنیفات و تالیفات کے اشارے بھی کرتے گئے ہیں ابواب کتاب کا شمار ۱۲۲ ہے جس میں پہلا باب تذکرہ اغراض کتاب۔ دوسرا محتویات و مشتملات اور آخری باب ۳۳۵ھ تک کے امرائے حج اور ان کے القاب کے بیان میں ہے۔

متروکات

علامہ مسعودی نے ابتدائے آفرینش سے سلسلہ تاریخ کو شروع کیا ہے لیکن اس باب کو

بالفعل ہم موخر کئے دیتے ہیں۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات سے ترجمہ کتاب کی ابتدا کرتے ہیں جو لیمک (لامک) بن منوح بن ادریس (اخنوخ) کے فرزند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بلغاری و روسی و صقلی یعنی سلانی یا سلاو نسل کی قومیں حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد ہیں وہ وقت بھی آئے گا جن باب کا ترجمہ رہ گیا ہے وہ بھی شائع کر دیا جائے گا۔ لیکن سر دست حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات سے ابتدا کی جاتی ہے (وباللہ التوفیق)۔

حضرت نوح علیہ السلام

فراوانی فتنہ و فساد نے جب روئے زمین پر شدید ترین تاریکی پھیلائی تو حضرت نوح دعوت الی اللہ کے لئے اُٹھے۔ مگر قوم نے اس دعوت حق کو لبیک کہنے سے انکار کر دیا۔ اور سرکشی و کفر سے کوئی باز نہ آیا۔ ناچار حضرت نوح علیہ السلام نے خدا کی جناب میں رجوع کیا اور قوم کو بددعا دی۔ خدا نے کشتی بنانے کے لئے وحی بھیجی جس سے فارغ ہونے پر حضرت جبریل آئے اور حضرت آدم کا تابوت ساتھ لائے۔ جمعہ ۱۹۔ آوز ماہ کو نوح علیہ السلام اپنی جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے جو پانی پر رواں تھی اور پانچ مہینے کی مدت میں ساری زمین غرق ہو گئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے زمین کو جذب آب اور آسمان کو امساک باراں کا حکم دیا کشتی کوہ جودی پر آ کے ٹھہر گئی یہ پہاڑی جزیرہ ابن عمر موصلی کے علاقہ ماسور میں واقع ہے اور اس کے اور دریائے دجلہ کے درمیان آٹھ فرسنگ کی مسافت واقع ہے کشتی کے خروج کی جگہ اس پہاڑی کی چوٹی پر اب تک واضح ہے۔

یہودیوں کی ایک کہانی

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے جب زمین کو پانی جذب کر لینے کا حکم دیا۔ تو بعض اقطاع ارض نے امتثال امر میں جلدی کی۔ اور بعض نے جلدی نہ کی جن اقطاع نے فرمان الہی کی نافرمانی کی۔ ان کا پانی شیریں نکلتا ہے جن حصوں نے دیر کی انہیں آب شور شورہ اور ریت سے بہرہ ملا اور جس پانی کو زمین جذب نہ کر سکی وہ بہ اختلاف موقع و مقام قعروں اور گڑھوں میں گر کے جمع ہو گیا۔ اور اسی کے سمندر ہو گئے یہ وہی مغضوب پانی ہے جس سے خدا نے کتنی قومیں ہلاک کیں۔

اولاد نوح علیہ السلام:

کشتی سے حضرت نوح اپنے تینوں بیٹوں سام۔ حام۔ یافث کو لے کر اترے۔ جن کے ساتھ ان کی بیویاں بھی تھیں۔ تمام نفوس کی تعداد اسی ۸۰ تھی۔ چالیس عورتیں سب نے مل کے اسی پہاڑ کے دامن میں ایک شہر آباد کیا جس کا نام ”ثمانین“ رکھا (عربی و عبری و سریانی دارامی زبانوں میں ثمانین اسی (۸۰) کو کہتے ہیں) اس شہر کا یہی نام اب بھی ہے اور آج تک یہ اسی نام سے موبوم ہے۔

ان اسی نفوس میں سے نسل انسانی صرف حضرت نوح کے تینوں بیٹوں سے چلی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی خبر دی ہے کہ وجعلنا ذریتہ ہم الباقین یعنی صرف ذریت نوح کو ہم نے باقی رکھا۔ اس تاویل کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے۔

نوح علیہ السلام کا وہ لڑکا جو کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا اور جس کے لئے حضرت نوح نے کہا تھا۔ کہ یا بنی اربکب معنا (اے میرے بیٹے میرے ساتھ سوار ہو جا) اُس کا نام ”حام“ تھا۔

نوح علیہ السلام نے اپنے فرزندوں میں زمین تقسیم کر دی۔ اور ہر ایک کو ایک حصہ دے دیا۔ حام سے حضرت نوح کسی بات سے ناراض تھے اور ساتھ ہی اس بات کی شہرت بھی ہے اس کو بد عادی کہ حام ملعون ہے اپنے بھائیوں کا سرکش غلام رہے گا سام بابرکت ہوگا اور خدا یافث کو بڑھائے گا۔ اور سام کی آبادی میں بھی یافث آجائے گا۔

تورات میں ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام تین سو پچاس برس زندہ رہے لہذا ان کی تمام عمر نو سو پچاس برس کی ہوگی۔

حام چلا گیا۔ اور اس کی اولاد بھی اسی کے ساتھ چلی گئی۔ ان سب نے بروبحر میں اپنی بستیاں بسائیں جن کا تذکرہ ہم کسی دوسری جگہ کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ نسل آدم کیونکر پھیلی۔ اور یافث و سام و حام کی اولاد نے کہاں کہاں آبادیاں قائم کیں۔

سام بن نوح کی نسل:

سام نے ناف زمین میں کہ حرم بیت اللہ کا علاقہ ہے۔ بودو باش اختیار کی جس کی حدیں تابہ حضرموت۔ تابہ عمان۔ تابہ عاج و سبع تھیں۔

سام کے لڑکے ارم و ارفخشذ تھے۔

ارم کی اولاد میں ایک تو قبائل عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح ہیں جن کا علاقہ احناف رمل (عرب) تھا۔ اور حضرت ہود علیہ السلام ان میں پیغمبر بھیجے گئے تھے۔

دوم: ثمود بن عاثر بن ارم جو علاقہ حجر (عرب) میں فروکش تھے۔ کہ حجاز و شام کے مابین واقع ہے خدا نے ان میں ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ جنہیں وہ واقعات پیش آئے کہ واضح و مشہور ہیں۔

سوم: طسم۔ وجدیس۔ فرزند ان لاؤذ بن ارم۔ جو یمانہ و بحرین (عرب) میں فروکش ہوئے۔ اور کچھ شام میں جا رہے۔ قوم عمالقہ کہ مختلف ممالک میں پھیل گئی تھی اسی نسل میں سے تھی۔ امیر بن لاؤذ بن ارم بھی انہیں کے بھائی تھے جو فارس (ایران) میں فروکش ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبیلہ امیم سرزمین ”دنیار“ میں فروکش ہوا تھا۔ اور یہ وہی علاقہ ہے کہ رادیان اخبار عرب گمان کرتے ہیں کہ اس پر غالب آگئے تھے۔

فرزند ان عمیل بن عوض برادر عاد بن عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر (مدینہ) میں فروکش ہوئے۔ اور ماس بن سام بن نوح نے بابل میں قیام کیا اس کا لڑکا نمرود تھا جس نے بابل میں صرح (منارہ پالاٹ) بنایا دریائے فرات کے ساحل پر پل بندھوایا۔ اور پانچ سو برس تک بادشاہی کرتا رہا۔ وہ قوم قبط کا بادشاہ تھا۔ اور اسی کے زمانہ میں خدا کی قدرت نے زبانوں میں (بہ زعم یہود) فرق ڈال دیا۔ اولاد سام میں ۹ زبانیں رائج ہوئیں۔ اولاد حام میں ۷ اور اولاد یافث میں ۳۶ اس کے بعد اوز بھی زبانیں شاخ درشاخ نکلتی رہیں آخر نسل انسانی ملکوں میں پھیل گئی۔ اس حالت میں لوگوں نے عراق میں جو اشعار کہے ان کا تذکرہ بھی آئے گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اقوام میں جس نے زمین کی تقسیم کی، وہ فالغ تھا۔ جس کے معنی فالغ یعنی قاسم کے ہیں (فلغ۔ فلح اور قسم سب کے معنی تقسیم ہی کے ہیں) یہ قاسم الارض (فالغ) شاخ کے لڑکے تھے اور وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جد (دادا) ہیں۔ شاخ بن فالغ کے لڑکے عابر تھے ان کے قحطان ان کے یعر ب ہی کو اول اول ان کی اولاد نے بادشاہی سلام (انعم صبا ح اور بیت اللعن) کیا۔ لیکن ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ حیرہ کے ایک بادشاہ کو پہلے پہل سلام کیا گیا تھا۔ تمام قبائل یمن کے مورث قحطان ہی تھے۔

عربیت کی ابتدا:

عرب نہایت فصیح اللسان تھا۔ اپنے معنی و مفہوم کو اچھی طرح واضح کر دیا کرتا تھا۔ اور اسی بناء پر وہ پہلا شخص تھا جس نے عربی زبان میں گفتگو کی (کیونکہ عربیت کے معنی بھی ایضاً واضح ہی کے ہیں)

یقطن بن عاد بن شالح کو جرہم بھی کہتے ہیں جو عرب کے بنی عم تھے یہ خاندان ان قبائل میں سے تھے جو پہلے یمن میں آباد تھے۔ اور ان کی بول چال عربی ہو گئی تھی بعد میں وہ لوگ مکہ مبارکہ میں آباد ہوئے جیسا کہ ہم ان کے حالات میں بیان کریں گے قبیلہ بنی قطور انہیں کے بنی عم ہیں آخر اللہ تعالیٰ نے مکہ مبارکہ کو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکن قرار دیا۔ وہیں آپ نے بُودوباش اختیار کر لی اور قبیلہ جرہم ہی میں آپ نے نکاح بھی کیا لہذا بنی اسماعیل کے ماموہ لوگ ہوئے۔

خرافات یہود:

اہل کتاب (یعنی بنی اسرائیل) کا بیان ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے مالک بن سام اب تک زندہ ہیں اور ہمیشہ (تا قیامت) زندہ رہیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سام بن نوح علیہ السلام کو وحی بھیجی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جشہ کی حفاظت جس کو تم نے سپرد کی تھی میں نے اسے بقائے ابد و حیات جاوید کی نعمت عطا فرمائی۔ بات یہ ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت ناف زمین میں دفن کیا تھا۔ اور مالک کو ان کی قبر کی حفاظت پر مامور و موکل بنایا تھا۔

سامیوں کا سلسلہ:

سام بن نوح علیہ السلام کے بعد بنی سام کی سرگروہی ارفخشذ بن سام کو حاصل ہوئی جن کی عمر قبض روح کے وقت چار سو ۶۵ برس کی تھی وہ ماہ نیستان میں واصل بحق ہوئے۔ ارفخشذ کے بعد شالح بن ارفخشذ سرگروہ ہوئے جن کی عمر قبض روح کے وقت ۳۴۰ برس کی تھی۔

عابر کے بعد فالخ بن عابر سرگروہ ہوئے آباد اجداد کے حسب معمول ان کی سرگروہی بھی اسی نہج پر رہی قبض روح کے وقت ان کی عمر دو سو برس کی تھی اس تاریخ میں ان کا تذکرہ پہلے بھی

آچکا ہے۔

فالغ کے بعد رعو بن فالغ سرگروہ ہوئے۔ ایک ضعیف روایت ہے کہ جبار بابل (نمرود) انہیں کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا جب ان کا انتقال ہوا ہے تو اس وقت ان کی عمر دو سو برس کی تھی۔ نینستان کے مہینے میں ان کی وفات واقع ہوئی۔

رعو کے بعد ساروغ بن رعو سرگروہ ہوئے۔ ایک ضعیف روایت ہے کہ انہیں کے زمانہ میں بُع پرستی و صورتگری نکلی جس کے مختلف اسباب تھے کہ روئے زمین پر اس کے متعدد موجب پیدا ہو گئے تھے جب ان کی وفات ہوئی ہے تو ان کی عمر دو سو تیس برس کی تھی۔

ساروغ کے بعد تاحور بن ساروغ سرگروہ ہوئے اور اپنے آباد و اجداد کے طریقہ پر چلے۔ ان کے زمانہ میں ایسے ایسے زلزلے آئے کہ پہلے کبھی نہ آئے تھے۔

ناحور کا زمانہ ساروغ کے بعد تھا انہیں ایام میں بہت سی مصیبتیں اور آفتیں بھی حادث ہوئیں اور نئے نئے آلات بنائے گئے ہندوستانیوں اور ایسے ہی دوسری قوموں کے الگ الگ جتھے بن گئے وفات کے بعد ان کی عمر ایک سو چھیالیس برس کی تھی۔

ناحور کے بعد ان کے لڑکے تارح کی نوبت آئی کہ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر تھا۔ اور اسی کا زمانہ نمرود بن کنعان کا زمانہ تھا۔

نمرود:

آتش پرستی اور روشنی کے پوجنے کا رواج نمرود ہی کے زمانہ میں ہوا۔ جس نے نار و نور کی عبادت و پرستش کے متعدد مراتب و مدارج قائم کئے تھے حرب و ضرب و حادثات جنگ و جدال اور مشرق و مغرب وغیرہ میں نئی نئی ملکیتیں قائم ہو جانے کے باعث یہ زمانہ روئے زمین پر بڑے اضطراب کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں علم ہیپیٹات کو ترقی ہوئی سیاروں کے احکام کی بات نکلی افلاک کی رصد باندھی گئی اور ان کی تصویریں بنائی گئیں علم ہیپیٹات کے آلات وضع ہوئے اور لوگوں کے لئے یہ تعلیم قریب الفہم بنا دی گئی۔

نجومیوں نے ہر سال کے احکام لگائے تھے۔ جس سال حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔ اس کے زائچہ طالع کا حساب لگا کر نمرود کو اطلاع دی تھی کہ فلاں سال میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو ان کی عقل و دانش کو مہنی بر سفاہت بتائے گا اور کواکب پرستی کو مٹا دے گا جب وہ سال آیا تو نمرود نے بچوں کے پیدا ہوتے ہی قتل کر دینے کا حکم نافذ کر دیا مگر حضرت ابراہیم چھپا دیئے

گئے تھے۔

آذر کہ وہی تاریخ تھا جب مرا ہے تو اس کی عمر دو سو ساٹھ برس کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑھے اور اس غار سے نکلے (جس میں ابتدائی پرورش کے لئے بخوف نمرود وہ چھپا دیئے گئے تھے) تو سب سے پہلے ان کی نظر زمین پر پڑی کائنات کو دیکھا عالم و مافی العالم میں نظر کی دلائل حدوت دیکھے تاثیرات کا مطالعہ کیا سیارہ زہرہ اور اس کی روشنی دکھائی دی تو اسی کو پروردگار کہنے لگے۔ چاند میں اس سے زیادہ روشنی دیکھی تو اسی کو معبود مان لیا۔ آفتاب کو جب سب سے روشن تر پایا تو فرمایا کہ یہ بڑا ہے یہی میرا پروردگار ہے۔

سیاروں کو پروردگار کہنے کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات بطریق استدلال و استخبار کہی تھی۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ ایام بلوغ سے پہلے مگر سن تکلیف کے وقت کا واقعہ ہے بعض کی رائے کچھ اور ہے بہر حال اس واقعہ کے بعد حضرت جبریل ان پر نازل ہوئے۔ دین کی تعلیم انہیں دی خدا کے برگزیدہ ہوئے اور نبی اللہ کے ساتھ خلیل اللہ کے رتبہ پر بھی فائز ہوئے ان میں رشد کا مادہ پہلے ہی سے تھا۔ اور جو صاحب رشد ہوتا ہے وہ خطا و لغزش و عبادت غیر اللہ سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی بنا پر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو غیر اللہ کی عبادت کرتے دیکھا۔ کہ مجوفات و مجسمات کو اپنا دیوتا بنا لیا ہے تو ان کی عیب گیری فرمانے لگے تا آنکہ نمرود نے انہیں آگ میں ڈلوادیا مگر خدا نے اس آگ کو گلزار کر دیا (یہودیوں کی ایک روایت اس باب میں ہے کہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جب آتش نمرود گلزار ہوئی ہے تو اس دن تمام روئے زمین کی آگ بجھ گئی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیا سی یا ستا سی برس کی ہو گئی تو حضرت اسماعیل پیدا ہوئے ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ حضرت اسماعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ستر برس کی تھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہاجرہ حضرت سارہ کی لونڈی تھیں جو لوگ مومنین اولین میں شمار ہوئے ہیں اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں۔ ان سب میں حضرت سارہ کو تقدم حاصل ہے۔ سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا بتوایل بن ناحور کی لڑکی تھیں (اور اس لئے ابتدائی رشتہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد بہن ہوتی تھیں)۔ اس کے

علاوہ بطریق ضعیف دوسری روایتیں بھی مروی ہیں جن کا تذکرہ ہم کسی دوسری جگہ کریں گے۔
حضرت لوط علیہ السلام:

حضرت لوط بن ہاران بن تارح بن ناحور بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے خدا نے انہیں ارض سدوم اور اس کے پانچوں علاقوں میں پیغمبر بنا کے بھیجا تھا۔ سدوم کی یہ پانچوں بستیاں حسب ذیل تھیں۔

(۱) صبغہ (۲) عمرو (۳) اوماؤ (۴) صبوغ (۵) بالع۔

جو لوگ اصحاب الموتفکہ کے نام سے مشہور ہیں وہ یہی قوم لوط کے لوگ تھے۔ لفظ موتفکہ مادہ "افک" سے مشتق ہے جس کے معنی کذب و ناراستی و دروغ کے ہیں یہ ان اہل الرائے کا بیان ہے جو ان اسمائے قدیمہ کے اشتقاق کے قائل ہیں۔ اور بطریق عربیت اشتقاق کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اصحاب الموتفکہ کا تذکرہ کیا ہے قرآن میں "والموتفکہ" ہوئے کی آیت موجود ہے۔

ارض سدوم یا دیار موتفکہ وہ علاقہ ہے جو حدود شام و حجاز کے مابین ارض اردون و بلا و فلسطین کے متصل واقع ہے۔ اتنی بات ہے کہ فلسطین تو شام میں ہے۔ اور یہ شام میں داخل نہیں۔ اس وقت تک کہ ۳۳۲ھ کا زمانہ ہے یہ علاقہ ویران چلا آتا ہے اس میں کوئی بھی آباد نہیں۔ اُلٹے پتھر اس میں موجود ہیں جو مسافروں اور سیاحوں کو سیاہ نظر آتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اس علاقہ میں بیس برس سے چند سال اوپر تک مقیم رہے اور لوگوں کو خدا کی جانب بلاتے رہے۔ ایمان باللہ کی دعوت دیتے رہے مگر یہ لوگ ایمان نہ لائے آخر عذاب میں مبتلا ہوئے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دی ہے۔

وادی غیر ذی زرع:

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم ان کو لے کر مکہ مبارکہ پہنچے۔ اور وہیں ان کی بود و باش کی راہ نکالی اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق اسی طرح خبر دی ہے۔ جس میں خدا سے وہ دعا کرتے ہیں کہ رب انسی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم (اے میرے پروردگار میں نے اپنی نسل میں سے بعض کو تیری حرمت و عظمت والے گھر کے قریب ایک بنجر وادی میں

ٹھہرایا ہے) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی دعا قبول کر لی کہ ان ذریعات ابراہیم کی تنہائی و وحشت رفع کر دی۔ قوم جرہم و عمالقہ سے ان کو مانوس ہونے کا موقع دیا اور بہترے انسانوں کے قلوب ان کی جانب مائل کر دیئے۔

قوم لوط کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے زمانہ میں ان کی کرتوتوں کے باعث ہلاک کیا تھا۔

ذبح عظیم:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے فرزند کی قربانی کریں۔ امتثال امر و اطاعت حکم میں انہوں نے فی الفور مبادرت کی۔ اور لڑکے کی قربانی کرنے پر تیار ہو گئے قرآن میں اس کے لئے وتلہ للجبین کے الفاظ وارد ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا اور ان کے بدلہ ایک جانور کی قربانی ہوئی۔ فدینا ہذبح عظیم میں اسی واقعہ کا تذکرہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے لڑکے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ ان کے بعد حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس کی ہو چکی تھی۔

قربانی کہاں ہوئی:

اس امر میں اختلاف ہے کہ ذبح کون تھا۔ یعنی قربانی کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطے حکم ہوا تھا۔ یا حضرت اسحاق علیہ السلام کے لئے۔ بعض تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں ہیں اور بعض اس سے حضرت اسحاق علیہ السلام کو مراد لیتے ہیں۔

اگر ارض حجاز میں یہ واقعہ پیش آیا ہے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبح مانے جائینگے اس لئے کہ حضرت اسماعیل جس دن سے شام سے حجاز میں لائے گئے۔ پھر کبھی شام کو واپس نہ گئے اور نہ اس ملک میں داخل ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا نکاح:

حضرت سارہ علیہا السلام کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت قنطور علیہ السلام کو اپنے

حبلہ عقد میں لائے۔ جن سے چھڑکے پیدا ہوئے۔

(۱) مرق (۲) نفس

(۳) مدن (۴) مداین

(۵) شان (۵) سرح

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارض شام میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ایک سو پچانوے برس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دس صحیفے نازل کئے تھے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام:

حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بتو ایل کی لڑکی وحاء علیہ السلام سے نکاح کیا جن سے ایک ہی مرتبہ دو لڑکے حضرت عیص علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت عیص بڑے معلوم ہوتے تھے اور حضرت یعقوب چھوٹے۔ ان کی پیدائش کے وقت حضرت اسحاق کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ ان کی بصارت جاتی رہی حضرت یعقوب کے لئے دعا کی کہ وہ اپنے بھائیوں پر سردار ہوں۔ اور ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے اور عیص علیہ السلام کو وعادی کہ ان کی اولاد میں پادشاہی رہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی جب وفات ہوئی ہے تو اس وقت ان کی عمر ایک سو پچاس برس کی تھی۔ وہ اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب دفن کئے گئے ان کی قبریں مشہور ہیں۔ جو بیت المقدس سے اٹھارہ میل کی مسافت پر ایک مسجد کے اندر واقع ہیں۔ اس مقام کا نام ”مسجد دمرعی ابراہیم“ ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم کی مسجد اور ان کی چراگاہ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام:

حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ شام میں چلے جائیں ان کو اور ان کے بارہ بیٹوں کو پینگیری کی بشارت بھی دی تھی جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) لادی (۲) یہودہ

(۳) یساخر (۴) زبولون

(۵) یوسف (۶) بنیامین

(۷) ردان (۸) نفتالی

(۹) کان (۱۰) اشار

(۱۱) شمعون (۱۲) روبیل

انہیں لوگوں کو ”اسباط اسرائیل“ یا صرف ”اسباط“ ہی کہتے ہیں۔ ان میں سے جن کی اولاد میں نبوت و حکومت کا سلسلہ جاری رہا وہ چار تھے (۱) لادی (۲) یہودہ (۳) یوسف (۴) بنیامین حضرت یعقوب اپنے بھائی عیص سے نہایت خوفزدہ تھے جن سے خدا نے ان کو محفوظ رکھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساڑھے پانچ ہزار بھیڑ بکریاں تھیں جن میں سے عیص کو انہوں نے دسواں حصہ دے دیا تھا کہ ان کے شر سے بچے رہیں۔ اور ان کی سطوت کا خوف جاتا رہے۔ یہ بھیڑ بکریاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے خوف زدہ ہو کر عیص کو اس وقت دی تھیں جب خدا نے ان کو محفوظ و مامون رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا کہ یعقوب کو ایذا دینے کی سبیل عیص کو حاصل نہ ہوگی۔ اس وعدہ الہی کے ہوتے ہوئے بھی دفع فتنہ کے لئے جب یعقوب نے عیص کے تطاول و تعدی سے بچنے کی تدبیر کی تو خدا نے وعدہ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے اور اس پر مطمئن نہ ہونے کی بنا پر اس کی سزا یعقوب کو ان کی اولاد کے بارہ میں دی۔ اور وحی بھیجی کہ ”میری بات پر کیا تجھے اطمینان نہ ہوا؟ اچھا اب میں تیری اولاد پر عیص کی اولاد کو ساڑھے پانچ سو برس تک فرمانردار رکھوں گا۔“ یہ وہی زمانہ تھا جب کہ رومیوں نے بیت المقدس کو خراب و خستہ اور ویران کر ڈالا تھا اور بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا یہ حالت اس زمانہ تک قائم رہی کہ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے محبوب ترین فرزند حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ بھائیوں نے حسد کیا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کو وہ واقعات پیش آئے جن کا قصہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے ان امور کی اطلاع دی ہے۔ اور امت نبویہ میں یہ خبر مشہور ہو چکی ہے۔

ایک سو چالیس برس کی عمر میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ملک مصر میں وفات پائی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا جنازہ اٹھایا اور تابوت کو علاقہ فلسطین میں دفن کیا جہاں حضرت

ابراہیم و حضرت اسحاق علیہما السلام کی ترتیبیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی روح جب قبض کی ہے تو اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی۔ ان کا تابوت سنگ رخام کا بنایا گیا۔ درزیں جست سے جوڑی گئیں اور ایسا روغن لگایا گیا کہ تابوت کے اندر پانی اور ہوا کا اثر تک پہنچنے نہ پائے تجھیز کے بعد اس تابوت کو رود نیل میں اس موقع پر ڈال دیا گیا جس کے متصل شہر منف آباد ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی مسجد بھی یہیں واقع ہے ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف نے وصیت کی تھی کہ ان کے تابوت کو اٹھا کر مصر سے فلسطین لے جائیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی قبر کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسجد میں دفن کریں۔

حضرت ایوب علیہ السلام:

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ ہی میں حضرت ایوب علیہ السلام بھی تھے۔ جن کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

ایوب بن موصل بن رزاح بن رعوایل بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

حضرت ایوب علیہ السلام ملک شام کی سرزمین حوران و تدمیر میں تھے جو دمشق و جابہ کا علاقہ ہے۔ وہ بڑے دولت مند و صاحب اولاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کو ابتلا میں ڈالا۔ اور یہ ابتلا خود ان کی ذات ان کے مال اور ان کی اولاد کے متعلق تھا۔ انہوں نے ان سب پر صبر کیا اور اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان سے لیا تھا سب انہیں واپس دے دیا۔ اور ان کی لغزش بھی معاف کر دی جس کا نتیجہ یہ ابتلا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعات اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنی کتاب میں بیان کر دیئے ہیں حضرت ایوب کی مسجد جس میں وہ خدا کی عبادت کرتے تھے اور چشمہ جس میں انہوں نے غسل کیا تھا آج کے دن تک کہ ۳۳۲ھ ہے موجود مشہور ہیں۔ یہ علاقہ نوئی و جولان میں واقع ہیں۔ جو دمشق و طبریہ کے درمیان ہے اور اقطاع اردن میں شمار ہوتا ہے اور یہ مسجد و چشمہ شہر نوئی سے تقریباً تین میل کی مسافت پر ہے وہ پتھر یہیں ہے جہاں حضرت ایوب علیہ السلام نے ایام ابتلا میں پناہ لی تھی۔ اور وہ اور ان کی بیوی جن کا نام ”رحمہ“ تھا وہیں پناہ گیر تھیں مسجد ایوب علیہ السلام میں وہ پتھر اب تک موجود ہے۔

موسیٰ علیہ السلام جو مشہور پیغمبر نہ تھے:

علمائے تورات و ستجرین صحائف انبیاء و کتب قدیمہ بیان کرتے ہیں کہ مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران سے پہلے ایک اور موسیٰ علیہ السلام بھی گزرے ہیں جو میثا بن یوسف بن یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑ پوتے یہی موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جو حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں پھرے۔ اور ان کی طلب میں رہے۔

حضرت خضر علیہ السلام:

حضرت خضر علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ خضر بن لکان بن فالخ بن عابور بن شالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔

لیکن بعض اہل کتاب ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

خضر بن عمیاکیل بن نصر بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ خضر کا نام ”خضرون“ تھا۔ خدا نے ان کو ان کی قوم میں پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ اور قوم نے خضر کی دعوت قبول بھی کر لی تھی اور خدا پر ایمان بھی لے آئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو مشہور پیغمبر تھے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طور پر ہے۔

موسیٰ بن عمران بن قاہت بن لادی بن یعقوب علیہ السلام۔

مصر میں حضرت موسیٰ اس فرعون کے زمانہ میں تھے جو بڑا ظالم اور بہت بڑا جبار تھا۔ اور جس کا نام ولید تھا فرعون کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

ولید (فرعون) بن مصعب بن معاویہ بن ابو نمیر بن ہلو اس بن لیث بن ہران بن عمر

بن عملاق۔

فرانسنہ مصر کے سلسلہ میں وہ چوتھا فرعون تھا۔ اس کا رشتہ عمر بہت دراز تھا۔ اور جسیم بھی بہت تھا حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد سے بنی اسرائیل غلام بنائے گئے تھے۔ اور ان پر شدید ابتلاء نازل ہوئے کاہنوں اور نجومیوں اور جادوگروں نے فرعون کو اطلاع دی تھی کہ عنقریب ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے اس کے ملک پر زوال آئے گا۔ اور مصر میں اس کے باعث امور عظیمہ حادث ہونگے۔ فرعون نے اس خبر سے خوفزدہ ہو کر بچوں کے ذبح کرنے کا حکم دے رکھا

تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معاملہ پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کو وحی بھیجی کہ اس بچہ کو دریا میں ڈال دو یہی ہوا اور وہ دریا میں ڈال دیئے گئے تا آنکہ وہ تمام واقعات اول سے آخر تک پیش آتے رہے جن کی خود اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کی توضیح کرائی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام:

اسی زمانہ میں حضرت شعیب علیہ السلام تھے جن کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

شعیب بن نویت بن رعویل بن مر بن عنقاء بن مدین بن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔
حضرت شعیب کی زبان عربی تھی۔ وہ اہل مدین کی جانب معبوث ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون سے بھاگے تو حضرت شعیب ہی کے پاس پہنچے تھے۔ اور ان کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اسی سلسلہ میں وہ واقعات پیش آئے تھے جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ اور ان کے بازو کو خاص انہیں کے بھائی ہارون علیہ السلام کی کی مساعت سے قوی کر دیا۔ خدا نے ان دونوں بھائیوں کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کے بھیجا تھا مگر فرعون نے جب ان کی مخالفت کی تو خدا نے اس کو غرق کر دیا۔ اور وہ دریا میں ڈوب گیا۔

تیبہ بنی اسرائیل:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے جائیں۔ اور میدان میں چلے جائیں بنی اسرائیل تعداد میں اتنے تھے کہ چھ لاکھ تو ان میں بالغ متنفس تھے اور نابالغوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی جن کا کوئی حساب و شمار نہیں۔

الواح موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہودی تخیل:

کوہ طور پر جو لوہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھیں وہ زمرد کی تختیاں تھیں ہنر رنگ تھا سونے کے حروف تھے۔ زرین کتابت تھی اور اسی حیثیت سے احکام الہی ان الواح میں مکتوب تھے۔

تابوت سکینہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پہاڑ کے نیچے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت اپنے ایک گرسالہ کی پوجا کر رہی ہے اور اعتکاف میں بیٹھی ہے یہ دیکھنا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرط غضب سے لرزنے لگے۔ کانپنے لگے لہذا ان کے پاس سے گر گئیں اور سب کی سب ٹوٹ گئیں۔ آخر ان سب کو جمع کر کے ایک تابوت (صندوق) میں رکھا جس کا نام تابوت سکینہ تھا۔ الواح کے علاوہ اس میں اور چیزیں بھی تھیں ہیکل (یعنی معبد یا قربان گاہ) میں یہ تابوت رکھ دیا گیا تھا حضرت ہارون اس تابوت کے کاہن تھے۔ اور وہی اس ہیکل کے محافظ بھی تھے۔

تورات کا نزول تیبہ بنی اسرائیل ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مکمل ہوا تھا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات:

اللہ تعالیٰ نے تیبہ بنی اسرائیل میں حضرت ہارون علیہ السلام کی روح قبض کی اور وہ کوہ مران میں دفن ہوئے جو جبل الشراہ کے قریب کوہ طور کے مضافات میں واقع ہے حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر مشہور ہے جو ایک بہت پرانے عادی غار میں ہے (جس چیز کی تاریخ منہجائے کہنگی کے باعث قدامت کی تاریکی میں گم ہوتی ہے اہل عرب اس کو ”عادی“ کہتے ہیں منسوب بہ قوم عاد یعنی نہایت قدیم)۔ بعض راتوں میں اس غار سے ایک بڑی گھنگھناہٹ کی آواز سنائی دیتی ہے جس سے ہر ذی روح ڈر جاتا ہے۔

ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ہارون دفن نہیں کئے گئے بلکہ اس غار میں غیر بدفون رکھے ہیں۔

اس غار کا ایک عجیب واقعہ ہے جس کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان عن الہم الماضیہ والا ممالد اثرہ میں کیا ہے۔ یہاں جو پہنچا ہوگا اس کو ہماری بیان کی ہوئی کیفیت کی صحت معلوم ہوگئی ہوگی۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کا واقعہ حضرت موسیٰ کی وفات سے سات مہینے پہلے پیش آیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی عمر اس وقت ایک سو تیس برس کی تھی ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے تین برس بعد انتقال کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تیبہ بنی اسرائیل سے نکل کر شام میں آئے جہاں انہیں متعدد

لڑائیاں پیش آئیں۔ متعدد مہمات بھیجی پڑیں جو براہِ خشکی بھیجی جاتی تھیں۔ یہ مہمیں اقوام (۱) عمالقه (۲) عربانین (۳) اہل مدین وغیرہم کے خلاف بھیجی گئیں۔ اور ان کے علاوہ اور بھی قومیں تھیں جن کا تذکرہ تورات میں موجود ہے اور جن سے بنی اسرائیل کو لڑنا پڑا تھا۔

تورات:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس زمانہ میں دس صحیفے نازل کئے اس سے پہلے نوے صحیفے نازل ہو چکے تھے یہ سب ملا کر سو صحیفے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات نازل کی جو عربی زبان میں تھی۔ اس میں امر و نہی و حلال و حرام و سنن و احکام وغیرہ تھے کتاب پانچ حصوں میں تھی (یابہ اصلاح یہود اس کے پانچ اسفار تھے) لفظ "سفر" سے صحیفہ مراد لیا کرتے تھے (یعنی تورات کے پانچ صحیفے تھے)۔

علمائے یہود لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تابوت سکینہ کو یعنی اس صندوق کو جس میں احکام الہی کی لوحیں تھیں اور دوسرے تبرکات طاہرہ بھی تھے سونے سے ڈھلویا تھا جتنا سونا اس پر لگا تھا اس کی مقدار چھ لاکھ سات سو پچاس مثقال زر تھی۔

حضرت یوشع علیہ السلام:

حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کا بہن مقرر ہوئے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلہ اسباط میں سے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح جب خدائے عزوجل نے قبض کی تو اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی۔ پیری و شیخوخت کے آثار نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں نمایاں تھے نہ حضرت ہارون علیہ السلام میں شباب کی کسی کیفیت میں تغیر نہیں آیا تھا۔

فوجی پیش رفت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہونے پر حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کو لئے ہوئے شام کے شہروں میں چلے جن پر بڑے جبار بادشاہان عمالقه وغیرہم کہ ملک شام کے فرمانردا تھے متغلب و متصرف تھے حضرت یوشع علیہ السلام نے ان کے خلاف مہمات بھیجیں۔ اور ان کے ساتھ بہت سے واقعات پیش آئے۔ آخر بنی اسرائیل نے علاقہ اریحا کو مسخر و مفتوح کر لیا۔ جو ارض غور کا علاقہ ہے اور یہ علاقہ بحیرہ منہنہ کی زمین پر واقع ہے ارض غور مضافات دریا کی نشیبی زمین کو کہتے

ہیں اور بحیرہ منتنہ کے معنی ہیں وہ بحیرہ جس سے عفونت و بدبو آتی ہو۔

بحیرہ مُنتنہ:

یہ وہی بحیرہ ہے جس میں غرق ہونے والوں کی لاشیں نہیں ڈوبتیں اور نہ مچھلی وغیرہ کے اقسام میں سے کوئی ذی روح حیوان اس میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا تذکرہ صاحب المنطق وغیرہ فلاسفہ نے بھی کیا ہے اور جو علمائے فلاسفہ اس کے زمانہ کے قبل یا بعد گزرے ہیں وہ بھی اس کا ذکر کرتے رہے ہیں۔

بحیرہ طبریہ:

بحیرہ طبریہ بھی منتنہ ہی میں منتہی ہوتا ہے (یعنی اول الذکر کا پانی آخر الذکر میں گرتا ہے۔ اور اسی میں یہ بحیرہ شامل ہو جاتا ہے۔ اردن بھی اسی بحیرہ طبریہ کو کہتے ہیں) لیکن یہ امر بھی ملحوظ ہے کہ اردن کی ایک جداگانہ ہستی بھی ہے)۔

بحیرہ طبریہ کے پانی کا مبدؤ بحیرہ کقولی و بحیرہ فرعون ہے جو دمشق کے علاقہ میں واقع ہے۔

نہر اردن:

نہر اردن کا پانی جب بحیرہ منتنہ میں گزرتا ہے تو اسے چیرتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اور اس کے وسط تک پہنچ کے بحیرہ منتنہ کے پانی سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسی میں رل مل جاتا ہے۔ یہ ایک نہر عظیم ہے بااں ہمہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا پانی بحیرہ منتنہ میں کس جگہ جا کر مل گیا ہے اس جگہ کی تعیین نہیں ہو سکتی۔ پھر لطف یہ ہے کہ اتنی بڑی نہر کا پانی شامل ہو جانے پر بھی بحیرہ منتنہ کا پانی نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔

بحیرہ منتنہ کے بعض خصائص:

بحیرہ منتنہ سے بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات و حالات تعلق رکھتے ہیں۔ اس بحیرہ کا ایک طویل قصہ بھی ہے ہم نے یہ تمام باتیں اپنی تاریخی تصنیف کتاب ”اخبار الزمان عن الامم الماضیہ و الملوک الدائرہ“ میں درج کی ہیں۔ اس نام کے لفظی معنی یہ ہیں کہ وہ کتاب جس میں زمانہ بھر کے متعلق حالات و معلومات و اطلاعات جمع ہیں جن کو گزشتہ اقوام اور سابق کے سلاطین کے ساتھ کسی قسم کا علاقہ ہو سکتا ہے۔

حجر الیہود:

ہم نے اخیر الزمان میں ان پتھروں کے حالات بھی درج کئے ہیں جو بحیرہ منتنہ سے نکلتے ہیں۔ ان میں ایک قسم کا وہ پتھر جو خرپڑہ کی شکل کا ہوتا ہے۔ یہ دو طرح کا پتھر ہوتا ہے۔ ایک کو حجر الیہود کہتے ہیں اس کا تذکرہ فلاسفہ نے بھی کیا ہے اور طب میں بھی اس کا استعمال ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے جنہیں زیگ مثانہ کا درد لاحق ہو۔ یہ دونوع کے پتھر ہیں نرو مادہ نر تو مردوں کے لئے ہے اور مادہ عورتوں کے لئے۔

بحیرہ کنودان:

خدا خوب جانتا ہے۔ مگر جہاں تک میں جانتا ہوں دنیا میں کوئی ایسا بحیرہ نہیں جس میں مچھلی وغیرہ کوئی ذی روح آبی جانور پیدا نہ ہو سکتا ہو۔ اگر ہے تو ایک یہی بحیرہ منتنہ ہے اور دوسرا ایک اور بحیرہ ہے جس میں خود میں نے علاقہ آذربایجان میں سفر کیا ہے اور یہ سفر شہر ارمینہ سے مقام منارہ تک طویل رہا ہے اس کو بحیرہ کنودان کہتے ہیں۔ اور وہاں یہ اسی نام سے مشہور ہے۔ قدمائے اہل علم بحیرہ منتنہ میں دریائی جانوروں کے پیدا نہ ہو سکنے کی وجہ تو بیان کی ہے مگر بحیرہ کنودان سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ ان لوگوں کا قول اگر صحیح ہے تو اسی پر قیاس کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں دریاؤں کا سرچشمہ ایک ہوگا۔

فتوحات:

پادشاہ شام کو سمیدع بن ہو بر بن مالک تھا۔ حضرت یوشع کے مقابلہ کو چلا۔ ان کے آپس میں لڑائیاں ہوتی رہیں تا آنکہ حضرت یوشع سمیدع کو قتل کر ڈالا۔ اور اس کے سارے ملک پر حاوی و قابض ہو گئے اور اس کے اور بھی بہت سے جبار تھے سرداران عمالقمہ تھے کہ حضرت یوشع کی فتوحات سے ان سب کا بھی وہی حشر ہوا جو سمیدع کا ہوا تھا۔ یوشع علیہ السلام نے ارض شام میں حملے بھی کئے۔ جنگ بھی کرتے رہے شب خون بھی مارے اور آخر عہد تک اس سلسلہ کو جاری رکھا۔

یوشع علیہ السلام کی وفات:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اسی برس تک حضرت یوشع علیہ السلام کا زمانہ رہا۔ اور پھر انتقال کر گئے۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

جنگِ عمالقہ:

ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ پادشاہ عمالقہ سے کہ سمیدع تھا۔ یوشع بن نون کی ابتدائی جنگ کا واقعہ مقام ایلہ میں پیش آیا۔ جو شہر مدین کے متصل ہے (بہر حال یہ روایت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس جنگ کا میدان خواہ کوئی بھی رہا ہو۔ اس میں تو کلام نہیں کہ) عوف بن سعید حرہمی نے اس واقعہ کے متعلق کہا تھا۔

الم تر ان العلقمی بن ہویز۔ (اے ہمنشین کیا تو نے یہ نہیں دیکھا اور تیری نظر سے یہ واقعہ نہیں گزرا کہ علقمی بن ہویز کا)۔

بايلة امسى لحمه قد تمزعا۔ (ایلہ میں خاتمہ ہو گیا اور خاتمہ اس بُری طرح ہوا کہ اس کا گوشت تک پارہ پارہ ہو گیا)۔

تداعت اليه من يهود حجاقل۔ (قوم یہود کے بہت سے سربر آوردہ دسرخیل و سردار اس پر پل پڑے۔ اس کے درپے ہو گئے۔ اس سے لڑنے لگے)۔

ثلا صون الفأ حاصرین و درعا۔ (ان یہودی حملہ آوروں کی تعداد تیس ہزار تھی جن میں بہتیرے برہنہ سر تھے اور بہت سے زرہ پوش اور مسلح تھے)۔

فامست عداداً للعمالق بعدہ۔ (اس شدید حملہ اور عظیم حربہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمالقہ کی تعداد نے علقمی بن ہویز کے بعد اس حالت میں شام کی)۔

على الارض مشياً مصعدین و فزیاً۔ (کہ زمین پر چلتے تو تھے مگر ڈرے جاتے تھے۔ ایک کے اوپر ایک چڑھے جاتے پہاڑوں پر پناہ لے رہے تھے اور خوف سے تھراتے تھے)۔

کان لم یكونوا بین الجبال مکتبہ۔ (حالت ایسی تھی کہ گویا کوہستان مکہ کے درمیان عمالقہ کا وجود ہی نہ تھا۔ اور یہ لوگ پیدا ہی نہ ہوئے تھے)۔

ولم یدرأ قبل ذاک السمیدعاً۔ (اور کسی دیکھنے والے نے اس حالت سے پیشتر

سمیدع کو دیکھا ہی نہ تھا یعنی اس کی ابتدا و انتہا یہی تھی کہ قتل ہو کر دنیا سے معدوم ہو گیا)۔

بلعم باعوراء:

ارض بلقاء جو بلاد شام میں واقع ہے یہاں کے ایک گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا جسے بلعم باعوراء کہتے تھے۔ اس کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

بلعم بن باعوراء بن ستور بن وسیم بن ناب بن لوط بن ہاران۔

بلعم مستجاب الدعوات تھا۔ اور خدا اس کی دعائیں قبول کر لیا کرتا تھا۔ قوم نے اس کو ابھارا۔ آمادہ کیا۔ برا بیختگی پیدا کرنی چاہی۔ کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے حق میں وہ بددعا کرے وہ یہ تو نہ کر سکا البتہ عمالقہ کے بعض پادشاہوں کو اشارہ کیا کر دیا کہ حضرت یوشع کی فوج کے سامنے حسین حسین عورتیں لائیں عمالقہ اس تدبیر پر کار بند ہوئے اور بنی اسرائیل فی الفور عورتوں کے پیچھے پڑ گئے نتیجہ یہ ہوا کہ افواج بنی اسرائیل میں طاعون پھیل گیا اور ستر ہزار یہودی اس بیماری سے ہلاک ہو گئے۔

ایک ضعیف روایت وفات یوشع کے متعلق یہ بھی ہے کہ خدائے عزوجل نے جب ان کی روح قبض کی ہے تو اس وقت وہ ایک سو برس کے تھے۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد کالب بن یوفنا بن بارض بن یہودا بنی اسرائیل کے سرگروہ ہوئے یوشع و کالب وہی دونوں بزرگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا تھا اور نعمت الہی ان کو عطا ہوئی تھی۔

سرداران بنی اسرائیل:

علامہ مسعودی فرماتے ہیں۔ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کے خلیفہ تو حضرت یوشع علیہ السلام ہوئے ہی تھے۔ مگر یوشع کی وفات پر ”دشان الکعری“ سرگردہ بنی اسرائیل قرار پائے۔ جو اسی ۸۰ برس تک ان میں رہے۔

دشان کے بعد عمال بن قائم صاحب اختیار ہوئے۔ جو سبط یہودا میں سے تھے چالیس برس تک ان کا زمانہ رہا۔

ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ علاقہ بلقاء کے مقام آب کا بہت بڑا جبار جس کا نام کوش تھا۔ دشان کے بعد وہ خلیفہ بنی اسرائیل بن بیٹھا۔ اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل نے کفر کا شیوہ اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کنعان کو حاکم بنایا۔ جو دس برس تک حکومت کرتا رہا کنعان کے

خاتمہ پر علان اخباری نے چالیس برس فاما نروائی کی اور پھر سمویہ کو سرداری ملی تا آنکہ طالوت نے زمام اختیار ہاتھ میں لی اور بنی اسرائیل پر جالوت جبار نے خروج کیا۔ جو علاقہ فلسطین کے بربروں کا بادشاہ تھا۔

پہلی روایت مقدمۃ الذکر کے مطابق بنی اسرائیل و مدبر حکومت فخاص العاذر بن عمران علیہ السلام تھے۔ جو تیس برس تک خلیفہ رہے۔

صحف موسوی کی حفاظت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے تھے۔ فخاص نے اپنے عہد حکومت میں انہیں تانبے کے ایک صندوقچے میں بند کر کے اس کے ڈھکنے کو پگھلے ہوئے رنگ سے جوڑ دیا۔ اور صندوقچے کو بیت المقدس کی صحرا صماء کے پاس لائے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب بیت المقدس کی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔

پتھر (صحرا) پھٹ گیا۔ اور ایک غار نظر آیا جس میں ایک دوسرا پتھر بھی تھا۔ فخاص نے صندوقچے کو اسی میں رکھ دیا (صحیفوں کا اس طرح رکھا جانا ہی تھا) کہ پتھر پھر جڑ گیا۔ اور جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا۔ (یہ روایت بھی حسب معمول یہودیوں کی ہے)۔

والیان یہود:

فخاص بن العاذر کی وفات پر کوشان بن لاسم فرماں روا ہوا جو الجزیرہ کا بادشاہ تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا۔ اور آٹھ برس تک یہ قوم ابتلا میں گھری رہی۔

کوشان کے بعد عثیشال بن قناز کو تولیت ملی جو سبط یہود میں سے تھا اور کلاب کا بھائی تھا یہ تولیت و حکومت چالیس برس تک قائم رہی۔

والیان مابعد کی فہرست ملاحظہ ہو۔

عقلون پادشاہ ہاب۔ یہ سخت کوشش کے بعد فرما نردا ہوا اور اٹھارہ برس تک حکومت کی۔ اہوذ۔ از نسل انرا نیم عہد حکومت 25 سال تھا اہوذ کی عمر جب 35 برس کی ہوئی تو اس زمانہ میں دنیا جہان کی آبادی کو چار ہزار برس گزر چکے تھے۔ اس تاریخی مدت کے متعلق بعض روایات ضعیفہ اور بھی ہیں۔

ساعان بن اہوذ۔ حکومت 25 برس۔

یابین کنعانی بادشاہ شام۔ حکومت 20 برس۔

دبورا۔ یہ ایک عورت تھی اور ایک ضعیف روایت ہے کہ اس فرماں روا عورت کی لڑکی کا نام دبورا تھا۔ اس نے سبط نفتالی کے ایک شخص کو جس کا نام بازاق تھا فرماں روائی میں شامل کر لیا حکومت چالیس سال۔

جوسائے بیچ گانہ بنی اسرائیل۔ حریب۔ ربیب۔ برسونا۔ رع۔ صلناع حکومت نو برس تین مہینے۔

کذعون از آل ممیشا۔ حکومت چالیس برس۔ ضعیف روایتوں میں میثا کی جگہ ملوک دین کا نام بھی آیا ہے۔

ایماخ بن میثا۔ حکومت تین برس تین مہینے۔

تولع از آل فرائون حکومت ۲۳ برس۔

سابہ از آل میثا۔ حکومت ۲۲ برس۔

ملوک مان۔ حکومت ۱۸ برس ۳ مہینے۔

بختون از بیت لحم۔ حکومت سات برس۔

بادشاہان فلسطین جو بنی اسرائیل پر غالب آئے تھے۔ حکومت چالیس برس۔

علی کاہن۔ حکومت چالیس برس۔

حملہ بابل:

عالی کاہن ہی کے عہد حکومت میں بنی اسرائیل پر اہل بابل ظفریاب ہوئے۔ اور تابوت سکینہ کو ان سے چھین کر مال غنیمت میں بابل اٹھالے گئے یہ وہی (مقدس) تابوت تھا جس کی برکت سے بنی اسرائیل فتح و ظفر کے طلبگار ہوتے تھے اور جس میں پینمبروں کے تبرکات تھے (مثلاً الواح موسیٰ کے ٹکڑے وغیرہ) افواج بابل نے اس حملہ میں بنی اسرائیل کو ان کے گھر بار اور علاقوں سے نکال دیا بے دخل کر دیا اور ان کی اولاد بھی خارج الدیار کر دی گئی۔

قوم حزقیل:

جب اہل بابل نے حملہ کیا۔ تو قوم حزقیل قتال سے جان بچا کر بھاگ گئی تھی حزقیل یہودیوں کے مقتدائے روحانی یا پینمبر تھے۔ اور ان کی قوم بھی من جملہ قوم یہود ہی تھے یہ لوگ

ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے خوف سے گھربار چھوڑ کے بھاگ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کو مردہ کر دیا پھر انہیں زندگی عطا کی طاعون لاحق ہوا۔ اور اس شدت سے لاحق ہوا کہ ان میں سے فقط تین اسباط باقی رہ گئے ایک فرقہ ارگستان میں چلا گیا۔ ایک فرقہ نے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لی۔ اور ایک فرقہ سمندر کے ایک جزیرہ میں پناہ گیر ہوا۔ ان کا واقعہ بہت دراز ہے تا آن کہ یہ لوگ اپنے ملک میں واپس آئے اور حضرت حزقیل سے پوچھا کہ ”آپ نے کیا ایسی کوئی دوسری قوم بھی دیکھی ہے جس پر ہم جیسی مصیبت نازل ہوئی ہو؟“ حزقیل نے جواب دیا ”نہیں میں نے کوئی دوسری قوم ایسی نہیں دیکھی اور نہ ایسے لوگ ہی دیکھے سنے جو تمہاری طرح خدا سے بھاگے ہوں۔“ آخر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر سات دن کا طاعون نازل کیا اور یہ سب لوگ ہلاک و تباہ و برباد ہو گئے۔



عرض مرتب

مروج الذهب کا سلسلہ اگرچہ اپنی طوالت کے اعتبار سے اس قسم کے سینکڑوں صفحات پر حاوی ہو سکتا ہے لیکن قدرت کی ان ابو جہی مصلحتیں بعض اوقات انسانی جوش عمل کو ایک معینہ راہ پر گامزن نہیں رہنے دیتیں۔ یہی حادثہ اس مرحلہ پر بھی رونما ہوا مولینا ظفر علی خاں بعض غیر اختیاری مصروفیات میں اس درجہ منہمک ہونے پر مجبور کئے گئے کہ یہ سلسلہ یہیں ختم کرنا پڑا۔ لیکن اس کتاب میں مروج الذهب کے علاوہ جو مضامین ہیں وہ اس کی کو پورا کر سکیں گے۔ (مرتب)

غلامان اسلام ملک عنبر حبشی وزیر دکن

(۱)

اسلام کا اپنے غلاموں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اہل نظر نے اس باب میں بڑی دیدہ ریزی کی ہے۔ لیکن تنقیح مباحث کے بہترین ذرائع اگر واقعات ہیں۔ تو ہم اس ذیل میں ملک عنبر حبشی کے واقعات زندگی پیش کرتے ہیں۔ جو ایک ادنیٰ درجہ کا غلام تھا۔ مگر اسلام نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی حضرت امیر خسرو دہلوی پہلے ہی پیشین گوئی کر چکے تھے کہ

داغ غلامیت کرد پایہ خسر و بلند

میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

خود ملک عنبر کو بھی اپنے زمانہ عروج میں غلاموں کی خریداری سے کچھ کم شغف نہ تھا جن کے ساتھ اس کے برتاؤ کی شرح بھی سن لیجئے۔ مورخین عرب لکھتے ہیں۔

اکثر من شراء الحبوش و كانت التجار تجلبهم اليه ويتغالون في اثما نهم الي ان

اکثر و جداً يقال ان جملة ما اشتراه من الذکور نحو القی حبشی.

ملک عنبر نے بکثرت حبشی غلام خریدے بردہ فروش سوداگر، ان غلاموں کو اس کے پاس

لاتے تھے اور بڑی قیمتیں لیتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی کہا جاتا ہے کہ دو

ہزار حبشی غلام اس نے خریدے تھے۔ لونڈیاں ان کے علاوہ تھیں۔

وكان الجلب اول ما يشتريه يسلمه الي من يعلمه القرآن والخط ثمه الي من يعلمه

الفروسية واللعب بالسيف والعود والسنهام الي ان يتفوس في انواع الحرب والحيل

والخداع ثم يترقى وترقون في المراتب و في المناصب كل به واستحقاقه ومرتبة.

غلام جب آتے تو خریدنے کے بعد پہلے انہیں تعلیم دینے والوں کے سپرد کیا جاتا۔ تاکہ قرآن کریم اور کتابت کی تعلیم دیں جب اس تعلیم سے فارغ ہو جاتے تو فن حرب کی تعلیم دلائی جاتی کہ شمشیر بازی، تیراندازی میں کمال حاصل کریں۔ انواع علم حرب و تدابیر جنگ میں مہارت ہو جانے پر ان کو ترقی دی جاتی۔ ہر ایک کا مرتبہ و منصب ترقی مختلف ہوتا جو جس قدر کوشش کرتا اور جیسی ترقی کا مستحق ہوتا ویسا ہی رتبہ اسے ملتا۔

وكان لهم اعتنا باقامة الجماعة وامور الدين و كان لكل امير منهم فقيه يتعلم منه الفقه وامر الدين و امام يصلى به مؤذن و جماعة ارسون القرآن و جماعة يذكوون الله تعالى ليلة الجمعة و الاثني و لكل امير سماء هملوء بانواع الاطعمة الفاخرة. یہ حبشی غلام رفتہ رفتہ افر ہو جاتے و جماعت قائم کرنے اور مذہبی امور سے دلچسپی رکھنے میں ان کو خاص انہماک تھا۔ ہر ایک افسر کے ہمراہ ایک عالم (فقیہ) رہتا جو اسے فقہ و دینیات کی تعلیم دیا کرتا۔ ایک امام ہوتا جس کے پیچھے وہ نماز پڑھتا ایک مؤذن ہوتا جو اذان دیا کرتا۔ ایک جماعت ہوتی جو قرآن کریم کا باہم درس دیا کرتی۔ اور دوسری جماعت بھی ہوتی جو شب جمعہ و شب دو شنبہ کو احیائے لیل کرتی اور رات بھر عبادت کیا کرتی۔ ہر افسر کا دسترخوان عام ہوتا جس پر طرح طرح کے اعلیٰ اعلیٰ الوان طعام ہوتے۔

و بالجملة فانهم وان كانوا عبيد حبشة فلم تكن العرب تفوقهم الا بالنسب. غرض کہ یہ غلام اگرچہ حبشی غلام تھے مگر عرب کو ان پر فوقیت تھی تو صرف شرافت نسبی کی فوقیت تھی۔

شرافت نسبی کی جس فوقیت و فضیلت کو اہل عرب کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اسلام اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ کہ مدار شرافت تقویٰ ہے تقاخر خاندانی نہیں ہے ہر سند کہ عملت چست و نپڑ سند کہ پدرت کیست۔

کارندیں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(۲)

فارسی و انگریزی و عربی تاریخیں ملک عنبر کے نہایت سرسری و سطحی حالات پر قانع

ہیں۔ ملک عنبر کا عہد اگرچہ تمدن عرب کا عہد زوال تھا۔ مگر مورخین عرب کے خصائص تاریخی اس وقت بھی معدوم نہ ہوئے تھے علامہ شبلی و علامہ مجلی نے ملک عنبر کے اہم سوانح زندگی بڑی متانت سے قلمبند کر دیئے ہیں اگر یہ کتابیں نہ ہوتیں تو دنیا کو شاید ان حقائق کے بے نقاب ہونے کے لئے ابھی بہت زمانہ تک انتظار کرنا پڑتا۔

اول الذکر کا پورا نام محمد بن ابی بکر بن ابی بکر الشبلی الحضرمی ہے۔ یہ ارض یمن و عرب کا نہایت نامور مصنف و مورخ تھا۔ شیخ عبدالقادر بن المجید ریس کی مشہور کتاب ”النور السافر فی اعیان القرن الحاشر“ پر اس نے ایک تکرار لکھا ہے اور ایک خاص کتاب ”اخبار اعیان القرن الحادی عشرہ“ تالیف کی ہے جس میں ملک عنبر کے نہایت مفصل حالات درج ہیں یہ دونوں کتابیں قلمی ہیں۔ لیکن آخر الذکر (علامہ محمد الحسینی) کی تالیف ”خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشرہ“ مصر میں چھپ چکی ہے۔ جس کی تیسری جلد (صفحہ ۲۳۲ و ۲۳۳) میں ملک عنبر کے واقعات مرقوم ہیں۔ مگر یہ بھی بعض فاش اغلاط سے خالی نہیں جن سے ہم کو تعرض نہیں مگر ہم نے ان کی تصحیح میں کوتاہی روا نہیں رکھی ہے۔

مقام غور ہے کہ ہندوستان اپنے ایک رکن رکین کے تذکرے سے تقریباً خاموش محض ہے۔ مگر عرب جنہیں اس سے بہت کم تعلق تھا اس کے سوانح لکھتے ہیں اور نہایت مفصل سوانح لکھتے ہیں۔

(۳)

دسویں صدی ہجری کے نصف آخر میں ارض حبشہ (ابی سینیا) کا قبیلہ ”مایہ“ کمال بے مانگی کی وحشیانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ شہر ”الحرہ“ میں اس قبیلہ کی بود و باش ہے جہاں اس کے ایک فرد کے گھر میں لڑکا پیدا ہوتا ہے جس کا نام ”شنبو“ رکھا جاتا ہے کہ ہمارے ہندوستانی لفظ ”شنبھو“ کا مرادف ہے۔

شنبو کی طفولیت ویسی ہی ہے جیسے تمام وحشی قبائل کے لڑکوں کی ہوتی ہے۔ افلاس و ناداری سے تنگ آکر ماں باپ اس کو بیچ ڈالتے ہیں بردہ فروش اس کو مکہ مبارکہ لے جاتے ہیں جہاں کے قاضی القضاات (حسین) اس حبشی کو خرید لیتے ہیں۔ اپنے لڑکوں کی طرح اس کی تربیت کرتے ہیں تعلیم دیتے ہیں تہذیب سکھاتے ہیں حتیٰ کہ مدنیّت عرب و علوم اسلام اسے اپنا بنا لیتے ہیں۔ اور اب

وہ ایک ذی علم و شائستہ انسان ہو جاتا ہے۔

قاضی حسین کے انتقال پر تقدیر اس حبشی غلام (شنبھو) کو پھر تھاس (بازار بردہ فروشی) میں لاتی ہے اور حالتِ غلامی اس کو عرب سے ہندوستان پہنچاتی ہے۔ سلطنت ہند کا ایک امیر جس کا نام عربی خراہ پر چڑھ کر ”لجنس خاں“ ہو گیا ہے۔ شنبھو کو خرید لیتا ہے۔ اور جنگ و جدال کی فطری استعداد دیکھ کر اس کو فنِ حرب و آدابِ قتال کی تعلیم دلاتا ہے جس میں وہ بہت جلد ترقی کر کے ماہر فن ہو جاتا ہے اور اب اس کی حیثیت ایک ایسے صاحبِ سیف و العلم کی ہو جاتی ہے جس کی تلوار قلم کا اور قلم تلوار کا کام دیتا ہے۔ ہندوستان کی قدردانی سرگین حبش کو ”عنبر“ بنا دیتی ہے اور اس وقت سے وہی غلام حبشی (شنبھو) ”ملک عنبر“ کے لقب سے راجہ شہرت کی مشام آسائی کرتا ہے۔

(۴)

دکن کی سلطنت بہمنیہ مٹ چکی ہے۔ اور پانچ مختلف حکومتیں اس کی جانشین ہوئی ہیں۔ جن میں ایک عادل شاہیوں اور ایک نظام شاہیوں کی حکومت ہے۔ عادل شاہیوں کا مرکز بیجا پور ہے۔ اور اس کا مورث ایک عثمانی ترک (یوسف آفندی) ہے جو سلطان مراد خاں عثمانی کا سب سے چھوٹا شاہزادہ ہے۔

جب باپ کا انتقال ہوتا ہے۔ اور تختِ سلطنت قسطنطنیہ سلطان محمد خان کو ملتا ہے تو اس کا چھوٹا بھائی یوسف آفندی جلاوطن ہو کر ہندوستان پہنچتا ہے جہاں بہمنیوں کے سلکِ سلطنت میں منسلک ہو جاتا ہے۔ اور ”عادل خاں“ کا خطاب پاتا ہے بیجا پور کی گورنری عطا ہوتی ہے جو زوالِ سلطنت کے دنوں میں عادل خاں کی کوشش سے ایک آزاد خود مختار حکومت کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی اس حکومت کا فرمان روا ہے۔ جو ۸۸۱ھ میں تخت نشین ہوا ہے جس کا دربار ملک عنبر کو بھی جذب کر لیتا ہے اور حکومت کا ممتاز عہدہ اس کو عنایت ہوتا ہے۔

ملک عنبر کے مزاج میں عربیت غالب ہے۔ ناموران عرب کی ایک بڑی جماعت اس کی حاشیہ نشین ہے جس کے ہر فرد کے لئے وظائف و مناصب مقرر ہیں۔ جو عرب ہندوستان آتا ہے ملک عنبر اس کی شاہ نوازی کرتا ہے۔ اور اسی مشعل افروز راجہ روح پرور کے لمعات کرم اس کی تواضع کرتے ہیں۔

دربار عادل شاہی کے بعض منصب پر وہ فائز ہے میزان مخارج میں اس کے مذاق کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا ہے۔ ملک عنبر اضافہ منصب کی درخواست کرتا ہے جو مقبول نہیں ہوتی ہے۔ ناچار ۱۰۰۶ھ میں ترک منصب کرنے کے بیجا پور سے چل دیتا ہے کہ۔

ہمائے گو مفلکن سایہ شرف زہار
وراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

(۵)

غربت کا عالم ہے۔ بے نوائی دامنگیر ہے وہی سر جس کے ردائے عشرت زیب آغوش تھی۔ اس وقت اس کے لئے گلیم عسرت بار دوش بنا ہوا ہے لیکن اس حال میں بھی ملک عنبر کی جمعیت باطن کی طرح جمعیت ظاہر میں بھی کوئی خلل نہیں پڑتا۔ تمام عرب اس کے ساتھ ہیں کہ مسلم کامل وہی ہے جو خدا کے فضل سے اپنی قابلیت پر ہر حال میں وثیق ہو۔ اور بجائے اس کے کہ انقلاب ایام سے مجبور ہو کر زمانہ کا ساتھ دے خود زمانے کو اپنا ساتھ دینے پر مجبور کرے۔ ملک عنبر کی ساری زندگی اسی فلسفہ حیات کی تفسیر ہے۔

انبوہ عرب جو ملک عنبر سے فیضیاب تھا اس ساز و برگ کی حالت میں بھی اس کے ساتھ مرگ انبوہ کا جشن منا رہا ہے۔ اور کسی کی اخلاص مندی اس کی رفاقت طلب کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی ہے ایک روز اسی بے زری میں ”کار بہ جان و کار دبا ستخوان“ تک کی نوبت آجاتی ہے اتفاق سے ایک قدیم دینہ ہاتھ آتا ہے ملک عنبر خدا کا شکر بجالاتا ہے اور اس خدا داد خزانہ کو افزائش خیل و حشم میں صرف کرتا ہے رفتہ رفتہ ایک بڑی فوج مرتب کر لیتا ہے اور ملک گیری شروع کر دیتا ہے۔ اُن دنوں عرصہ دکن آشوب گاہ فتن ہو رہا تھا۔ ایک طرف تو سلطنت مغلیہ دہلی اس ملک کے مسخر کرنے کی فکر میں تھی اور دوسری جانب ملوک دکن کی باہم آویزی خود ان کو تباہ کر رہی تھی۔ ملک عنبر نے موقع معتنم سمجھ کر بہت سے علاقے فتح کر لئے جو باہم خانہ جنگیوں سے پامال ہو رہے تھے اور جس کی رعایا کو ایک دن کے لئے بھی عافیت نصیب نہ تھی ملک گیری کے ساتھ ملک داری بھی بڑی چیز ہے اور یہ دونوں اوصاف ملک عنبر میں یکساں موجود تھے۔ اس نے ان اضلاع مفتوحہ میں جو جو انتظامات کئے حسب روایت محی وہ حسب ذیل تھے۔

(۱) شکستہ دل رعایا کو ہر طرح سے خوش کر کے اپنا دوست بنا لیا۔

- (۲) توسیع عدل و انصاف میں ذرہ برابر کوتاہی روانہ رکھی۔
- (۳) زیر دستوں کے ساتھ احسان کرنا اس کی حکومت کا خاص شعار تھا۔
- (۴) اس کی حکومت میں انتظامی و عدلی اختیارات علیحدہ علیحدہ افسروں کے سپرد ہوتے تھے۔ حاکم شہر کے ہاتھ میں انتظام تھا۔ جس کو محکمہ عدالت سے کچھ تعلق نہ تھا۔ اور اس صیغہ پر وہ کوئی اثر نہیں رکھتا تھا۔ محکمہ عدالت کی ذمہ داری قاضی سے متعلق ہوتی تھی جسے انتظامی معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ یہ دونوں محکمے ہر مقام پر قائم تھے اور جدا جدا اپنے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔

(۶)

سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں ایک ہندو لڑکا (متما بھت) بھی اسیران جنگ بیجانگر کے زمرہ میں نظر بند تھا۔ بادشاہ نے اس کو آزاد کر دیا۔ اور وہ مسلمان ہو گیا یہ لڑکا تعلیم سے بہرہ مند تھا فارسی تعلیم پادشاہ کے حکم سے اس کو شاہزادہ ولی عہد کے ساتھ دی گئی تعلیم کے مکمل ہو جانے پر عہدہ خوش بیگی عطا ہوا جو ترکی اصطلاح میں بشکاری جانوروں کی داروغگی کے مرادف تھا بعد میں ترقی کرتے کرتے سلطنت کا ایک رکن رکن بن گیا حتیٰ کہ زوال سلطنت کے زمانہ میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی جس کا مستقر دولت آباد و احمد نگر تھا۔

ابراہیم نظام شاہ کے بعد نظام شاہیوں کی حکومت اس قدر متزلزل ہو گئی تھی کہ اس کے انتقال پر شاہی خانوادے میں سے کسی کو تاج و تخت نصیب نہ ہو سکا۔ امرائے دولت کی سازش سے ۱۰۰۳ھ میں ایک بیگانہ شخص بادشاہ بنایا گیا اسی زمانہ میں عسا کر مغلیہ کے متواتر حملوں نے اس آزاد مملکت کی بیخ کنی کا پورا سامان کر لیا تھا۔ مگر شاہزادی (چاند سلطانہ) کی سیاست اس وقت کام آئی جس نے ملک کو بھی تباہی سے بچالیا اور اصلی وارث حکومت (بہادر نظام شاہ) کو زمام فرماں روائی بھی واپس دلادی۔

۱۰۰۸ھ میں بہادر نظام شاہ کی خود مختاری سلب ہو گئی۔ امرائے نظام شاہ کی بے تدبیری نے شاہزادی چاند سلطانہ کی اطاعت نہ کی اور سلطنت کھودی۔ شاہزادی شہید کر ڈالی گئیں۔ اور افواج اکبر شاہی نے شیخ ابوالفضل کی سر لشکری میں دارالملک پر حملہ کر کے بہادر نظام شاہ کو قید کر لیا۔ جسے شہنشاہ اکبر کے حکم سے قلعہ گوالیار میں جکد دی گئی۔

اس نازک وقت میں مرتضیٰ نظام شاہ تخت نشین ہوا۔ جسے ازسرنو بنیان سلطنت استوار کرنے کے لئے ملک عنبر سے مدد لینے کی ضرورت پڑی یہی زمانہ ہے جس میں ملک عنبر کے جوہر قابلیت کا سارے ہندوستان کو اعتراف کرنا پڑا۔ اور ہندوستان ہی نہیں عرب و عجم میں بھی اس کے حسن سیاست کی دھوم مچ گئی۔

(۷)

ملک عنبر کو حکومت نظام شاہیہ کے لئے متعدد کام کرنے تھے۔ اور مختلف مہمات امور انجام دینے تھے۔ جن میں سے ہر ایک کی اہمیت فائق الوصف تھی۔

(۱) حکومت کی گئی ہوئی آزادی بقدر امکان واپس ملانی تھی۔

(۲) ارکان حکومت جتنے بھی تھے ”انادلاغیری“ کے مدعی تھے ان میں کوئی کسی کی بات نہیں مانتا تھا۔ اور نہ خود فرماں روائی کی اطاعت کرتا تھا۔ ان سب کو ایک ضابطہ کے اندر لانا تھا۔ اور ایک نظام کے ماتحت بنانا تھا۔

(۳) اندرونی خانہ جنگیوں کا سلسلہ کوتاہ کرنا تھا۔

(۴) مغلوں کے بیرونی حملوں کی روک تھام کرنی تھی۔

(۵) منافقوں کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ کرنا تھا۔ جو خود سلطنت کا خاتمہ کئے دیتی تھیں۔

(۶) ذاتی حیثیت بھی مضبوط بنانی تھی۔ اور اس درجہ مضبوط بنانی تھی کہ مخالفین کا داؤ نہ چل سکے۔

(۷) انتظامی، عدلی، فوجی، مالی اصلاحیں کرنی تھیں۔ جن کے بغیر امن و اطمینان و عافیت رعایا کے لئے کسی طرح ممکن نہ تھی۔

ملک عنبر نے یہ سارے کام کئے۔ اور اگرچہ یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ وہ ان سب میں کامیاب بھی ہوا۔ تاہم جس حد تک کامیابی ہوئی مورخین اسے بھی خوارق عادات میں شمار کرتے ہیں۔ اور اسی بناء پر علامہ شبلی کی رائے ہے کہ ملک عنبر کے سیاسی و علمی و اصلاحی کارناموں کی تفصیل کے لئے ایک مبسوط و ضخیم کتاب بھی کافی نہیں۔“

انسوس ہے کہ ضیق جمال نے اس تفصیل کے لئے اجمال کی گنجائش بھی باقی نہیں چھوڑی ہے اس لئے ہم کو اس مضمون میں صرف چند تلمیحات پر کفایت کرنی ہے۔ لیکن یہ بھی وہ باتیں ہیں جن کے تذکرے سے آپ فارسی کی عام تاریخوں کو خاموش پائیں گے فلیف اُردو جس میں کوئی

جامع تاریخ ہی نہیں ہے ملک عنبر نے اس عہد میں جو جو کام کئے ان کا خلاصہ یہ ہے۔
 (۱) حدود تلنگانہ سے مقام بیڑ کے تین میل مسافت تک احمد نگر کے جنوب ۱۲ میل تک دولت آباد سے ساٹھ میل تک کے علاقے محکم کر لئے جن میں حکومت کی آزادی و استقبال کا منازع کوئی نہ تھا۔

(۲) ارکان حکومت پر سیاست صائبہ کا ایسا قانونی دباؤ ڈالا۔ کہ ملک عنبر کے آخر عہد تک کسی کو سرکشی کی جرأت نہ ہو سکی۔

(۳) خانہ جنگیاں قطعاً متاصل ہو گئیں۔

(۴) شہنشاہ اکبر نے میرزا عبدالرحیم خان خانان کو مہمات دکن پر مامور کیا تھا۔ جس نے ملک عنبر کی تادیب کے لئے ایک مہمی بھیجی کہ تلنگانہ کے علاقے سلطنت مغلیہ میں شامل کر لئے جائیں۔ ۱۰۱۰ ہجری میں ملک عنبر نے اس مہم کو ایسی شکست دی کہ مقبوضات اکبر شاہی بھی اس کے تصرف میں آگئے۔ اور سلطنت دہلی کے متعدد علاقوں پر حکومت احمد نگر کے تھانے بیٹھ گئے خان خانان نے دوبارہ فوج بھیجی جس کا سر لشکر اس کا بڑا بیٹا ایرج میرزا تھا۔ ناندیر کے قریب مقابلہ ہوا اور بڑی سخت لڑائی ہوئی فرشتہ لکھتا ہے۔

”یکے۔ یعنی سپاہ خان خانان جہت بلند نامی و دیگرے یعنی ملک عنبر برائے حفظ ملک از روئے قہر و غضب جمعیت سپاہ متوجہ گردیدند و در خایت شدت و خصومت بر یک دیگر حملہ آور وہ شرط مرومی و مردانگی بجائے آوردند و با گرز و نیزہ و شمشیر و تیر سر روئے ہمد گیر شکستہ جدا دل خون رواں ساختند۔“

اتفاق سے عین معرکہ میں ملک عنبر فوج کو لڑا بھی رہا تھا اور لڑ بھی رہا تھا زخمی ہو کر گھوڑے سے گر گیا حبشیوں نے اس کی جان بچانی مقدم سمجھی اور میدان جنگ سے اس کو باہر نکال لے گئے ایسی حالت میں عنبر کو طبعاً شکست ہوئی تھی لیکن اس کا حوصلہ پست نہ ہوا بلکہ شکست نے آرزوئے فتح اور بھی بڑھادی۔ اور اب اس نے مغلوں سے آخری فیصلے کی ٹھان لی مغل بھی اس کی جرأت و شجاعت کے معترف تھے۔ اور اس کے بے نظیر قابلیت سپہ سالاری و سرفروشی و جانبازی کا انہیں تجربہ بھی ہو چکا تھا مصالحت بہتر سمجھی گئی اور دونوں حریفوں میں صلح ہو گئی۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ۔

”عنبر باز در صد و فراہم آوردن لشکر شدہ جہت محافظت ممالک خود ارتکا پوے باز نیامد خان خانان چوں شجاعت و مردانگی اد بخاطر آورد بودومی و انست کہ باز در فکر لشکر کشی است

ہر آئینہ در مقام صلح شد۔“

اس مصالحت نے جنگ وجدل کا خاتمہ کر دیا۔ اور اواخر عہد اکبر شاہ بلکہ اوائل سلطنت جہانگیر تک کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اور مغلوں کی جانب سے ایک مدت کے لئے بالکل اطمینان ہو گیا۔

(۵) منافقوں کا ایک گروہ پہلے تو ملک عنبر کا جاں نثار بنا ہوا تھا مگر مغلوں سے صلح کر لینے کے بعد اس کو ریشہ دوانی کا موقع ملا۔ اور علانیہ مخالفت شروع ہو گئی اس گروہ میں فرہاد خاں۔ ملک صندل۔ راؤ پتنگ رائے کوئی وغیرہ متعدد امرائے بارگاہ شامل تھے جو سب کے سب موقع پا کر معاہدے خیل و حشم کے ملک عنبر سے باغی ہو گئے۔ ملک عنبر کے لئے یہ نہایت نازک وقت تھا کہ خود اس کے دست بازو سے چھوڑ چلے تھے با اس ہمہ عزم بلند میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور قلعہ ”اوسہ“ کی لڑائی میں اس نے سب کو شکست دی پتنگ رائے کوئی کہ اس جماعت کا سرخیل تھا زندہ اسیر و دستگیر ہوا۔ اور باقی مفرور ہو گئے۔

سازش گروں کے حق میں یہ جنگ قضائے مبرم تھی جس نے شور انگیزیوں کی بیخ کنی کر دی۔

(۶) ملک عنبر کو اپنی ذاتی حیثیت مضبوط بنانے کے لئے توسیع سلسلہ فتوحات کی ضرورت تھی۔ اواخر ماہ ربیع الآخر ۱۰۲۰ ہجری میں اس نے قلعہ پرندہ پر لشکر کشی کی جو تقریباً بیس برس سے منجھن خاں حبشی کے زیر حکومت تھا قلعہ دار نے سفارت بھیجی کہ نظام شاہ تو جب چاہیں قلعہ پر قابض ہو جائیں مگر ملک عنبر تو مغلوں سے تعلق رکھتا ہے۔ خان خاناں سے مل چکا ہے وہ کس طرح قابل اعتماد ہو سکتا ہے۔“

ملک عنبر نے اس سفارت کے جواب میں جو باتیں کہیں وہ خود اس کے لفظوں میں یہ کہیں۔

”چوں من از غدر پتنگ رائے و فرہاد خاں و ملک صندل ایمن نبودم بنا بر صلاح وقت و خان خاناں ملاقات کرو۔ و بحسب ظاہر یہ ایشاں گشتم تا از صمیم قلب من جملہ غلامان نظام شاہیم وے خواہم لوازم دولت خواہی بجا آورده در حفظ سلطنت این دو دماں مساعی جملہ بتقدیم رسانم۔“

یہ سفارت نے نتیجہ رہی۔ حملہ آور فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا فرہاد خاں و ملک صندل بھی

منجھن خاں سے مل گئے تھے۔ مگر ایک مہینے کی کشش و کوشش کے بعد اپنے آپ کو ملک عنبر کا مرد میدان نہ پا کر قلعہ خالی چھوڑ کر بھاگ گئے اور بیجا پور پہنچ کر عادل شاہیوں کے دربار میں ملازمت کر لی چند روز کے بعد وہ حسن تدبیر سے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ اردگرد کے علاقے از خود مطیع ہو گئے جن سب کو نظام شاہ کے حوالہ کر کے ملک عنبر احمد نگر چلا گیا۔

نفاق آرائی کا بازار اس واقعہ کے بعد بالکل ہی سرد ہو گیا۔ اور پھر کوئی منافق باقی نہ رہا۔

(۷) ملک عنبر نے حسب ذیل ملکی اصلاحات و انتظامات کئے۔

(ا) حفظ امن کے لئے ہر جگہ پولیس کے تھانے بٹھائے۔ اور ایک خاص جنگی پولیس قائم کی کہ حدود مملکت محفوظ و مضبوط رہیں۔

(ب) فوجدار مقرر کئے کہ پولیس کی نگرانی رکھیں۔ رعایا پر زور و ظلم نہ ہونے دیں۔ افتادہ اراضی آباد کرائیں۔ وسائل آمدنی بڑھائیں ملک کو شورش و تباہی سے بچائیں اور بنیاد حکومت کو ہر طرح سے قوی بنائیں۔

(ج) سررشتہ انتظام اوقاف کی بنیاد ڈالی۔

(د) ایک مستقل وزارت قائم کی جس کے افسر اعلیٰ کا لقب صدر جہاں ہوتا تھا اور جس کا کام یہ تھا کہ مستحقین کے لئے جاگیر و وظائف اور معافیوں کا انتظام کرے۔ تعلیم و تربیت کو ترقی دلائے۔ سیرت انسانی کو نظام معاشرت کے دائرہ سے باہر نہ ہونے دے اور شریف گھرانوں کی محافظت کرے کہ ان میں شریفانہ فضائل کی قوی و خاندانی روایتیں بدستور قائم و مسلسل رہیں۔

(ه) ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کے لئے ہر ایک بستی اور آبادی میں مکاتب کھولے۔

(و) تزکیہ اخلاق کے لئے خانقاہیں بنوائیں۔

(ز) تعلیم و تربیت مفت رکھی۔ جس کے مصارف کی ذمہ دار رعایا نہ تھی بلکہ خود سلطنت تھی۔

(ح) نہریں جاری کرائیں۔ سررشتہ آبپاشی کھولا۔ ملک کا نیا بندوبست کیا۔ خراج سرکاری کی حد بندی کر دی۔ کہ دس فیصدی سے بڑھنے نہ پائے غیر ضروری ٹیکس معاف کر دیئے۔ حکام کے جو روتشدد سے رعیت کو نجات دلائی۔ پل بنوائے مہماں سرائیں بنوائیں جا بجا سڑکیں تیار کرائیں حفظ صحت میں ترقی کی۔ تجارت کو ترقی دینے کے لئے آسانیاں پیدا کیں۔ پیشہ وروں سے محصول معاف کر دیئے۔ ڈاک میں اصلاح کی خبر رسائی کے لئے ہر کارے متعین کئے کہ ہر مقام کے حالات سے روزانہ خبر دیتے رہیں اور ان پر نگرانی کرنے والے مامور کئے جن کے باقاعدہ دباؤ سے

جھوٹی خبریں نہ دینے پائیں۔
 (ط) رعایا کو جنگی تربیت دی۔
 (ی) آزادی اقوام کی عزت کی۔

(۹)

ملک راجو دکن کے دربار نظام شاہی کا ایک اعلیٰ رکن تھا۔ جس کے قبضہ میں شمالاً دولت آباد سے حدود گجرات تک اور جنوباً احمد نگر سے اٹھارہ میل مسافت تک کے علاقے تھے اور کامل خود مختاری کے ساتھ وہ ان علاقوں پر حکومت کرتا تھا۔

یہ شخص ملک عنبر کا حریف تھا۔ اور ہمیشہ سے زک دینے کے درپے رہا کرتا تھا۔ ملک عنبر کے علاقے پر مغلوں کا حملہ بھی اسی کی تحریک سے ہوا تھا۔ اور امرائے عنبر کو بغاوت پر بھی اسی نے آمادہ کیا تھا۔

۱۰۱۴ ہجری میں ملک راجو نے بذات خاص حملہ کر کے ملک عنبر کے مقبوضات منخر کر لینے چاہے۔ لیکن خان خانان کی کمک سے وہ اس ارادہ میں ناکام رہا۔

اسی سال کے آخری ایام میں ملک عنبر نے دولت آباد پر فوج کشی کی کہ ملک راجو کا استیصال کر دے۔ لیکن اس مرتبہ خان خانان کی فوجیں بین العسکرین حائل ہو گئیں اور چھ مہینے تک حائل رہیں کہ ایک کو دوسرے پر حملہ کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

۱۰۱۶ ہجری میں ملک عنبر کی آخری چڑھائی نے ملک راجو کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے مقبوضات بھی ملک عنبر کی قلمرو میں شامل ہو گئے۔

ملک عنبر کے استقلال کا یہ عہد شباب تھا سارے دکن میں اس کے جاہ و جلال کا سکہ چلنے لگا۔ اور پھر کسی دکنی حکومت کو اس سے منحرف ہونے کی جرأت نہ ہو سکی۔ لیکن یہ ایک سب سے بڑا معرکہ پیش آنے والا تھا۔ جس کے انفصال پر اس امر کا انفصال بھی ہوتا تھا کہ یا تو ملک عنبر کی حکومت کا نام و نشان بھی نہ رہے گا اور یا اس کی سطوت و حیرت میں ایسی ترقی ہوگی کہ پھر کسی بڑے سے بڑے حریف میں بھی تاب مقادمت باقی نہ رہے گی۔

(۱۰)

ملک عنبر ابتداء میں دربار بیجا پور کا ایک عہدہ دار رہا تھا۔ اور غلامانہ زندگی سے ترقی کرتے کرتے آزادانہ حکومت کی طرح ڈالی تھی فرماں روئے بیجا پور (ابراہیم عادل شاہ) کو اس کی اولوالعزمی گوارا نہ تھی۔

بارہا ملک عنبر کو قتل کر ڈالنے کی سازشیں ہوئیں زہر دینے کی سازشیں ہوئیں۔ قید کر لینے کی سازشیں ہوئیں مگر سب میں ناکامی ہی ناکامی پیش آتی رہی آخری وار یہ تھا کہ دربار بیجا پور خود تو ملک عنبر کے استیصال پر قادر نہ تھا شہنشاہ جہانگیر شہر یار دہلی سے استدعا کی کہ افواج شاہی اگر اس کی تادیب کے لئے حرکت میں آئیں تو ابراہیم عادل شاہ فی منزل ایک لاکھ ہون کے حساب سے نذرانہ دے گا (ہون ہونے کا ایک سکہ تھا جس کے مختلف اوزان تھے سب سے کم وزن کا ہون سات روپے آٹھ آنے کا ہوتا تھا۔ معلوم نہیں یہ ہون کس وزن و قیمت کا تھا)۔

جہانگیر خود بھی تسخیر دکن کی فکر میں تھا۔ اس تحریک کے ہوتے ہی ایک عظیم الشان لشکر بھیج دیا۔ کہ ملک کو مسخر اور عنبر کو مقید کرے دوسری جانب سے ابراہیم عادل شاہ بھی آیا۔ اور ان دونوں افواج نے چاروں طرف ملک عنبر کو محصور کر لیا۔

مقابلہ ہوا اور نہایت شدید مقابلہ ہوا۔ عسا کر دہلی و افواج بیجا پور دونوں کو ہزیمت ہوئی۔ اور ملک عنبر نے غنیم کے چالیس سے زیادہ افسران دستی گرفتار کر لئے۔ یہ فتح عظیم سب سے بڑی طراز آرائے اقبال تھی لیکن اب آفتاب اقبال اس حد کمال کو پہنچ چکا تھا جس سے آگے صرف میرا نیس کا وہ مشاہدہ زوال باقی رہ گیا تھا کہ۔

عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

(۱۱)

ملک عنبر نے سلطنت ہندوستان کو شکست دی حکومت بیجا پور کو شکست دی لیکن فرشتہ موت کو وہ شکست نہ دے سکا۔ ۱۰۳۵ھ میں انتقال کر گیا۔ اور بجز نام نیک کے اور کوئی یادگار باقی نہ چھوڑی مادہ تاریخ وفات ”جعل الجنتہ مشواہ“ ہے دکن میں اس کے مزار کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اس حریم عافیت میں اگر کوئی مجرم بھی پناہ گیر ہوتا تو جب تک وہاں رہتا قانون اس سے متعرض

نہ ہو سکتا۔

ملک عنبر کا بڑا بیٹا عبدالعزیز اس کا جانشین ہوا۔ فتح خاں اس کو خطاب ملا اور وزیر اعظم کا منصب عنایت ہوا۔ یہ شخص شجاع بھی تھا۔ بلند ہمت بھی تھا۔ فیاض بھی تھا صاحب علم بھی تھا لیکن عاقبت اندیش نہ تھا استبداد پسند تھا۔ عام رائے کی نہ کبھی عزت کی نہ غرور نے اصفائے شوریٰ کی اجازت دی نتیجہ یہ ہوا کہ سارا جاہ و جلال ساری شان و شوکت خاک میں مل گئی مرنے کے بعد کوئی ایسا بھی نہ رہا کہ اس کا نام لے یا اس پر دو آنسو بہائے۔

یہ بھی مرنا عجیب مرنا ہے

مر گئے ساتھ ساتھ جس کے صفات
ایسے جینے پہ مرتے ہیں افسوس
ایسے مرنے پہ جیتے ہیں ہیبت
سچ کہا ہے نبی برحق نے
اکثر وا ذکر ہا د م اللذات

(۱۲)

اس قدر واقعات بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر کے ان مخصوص روشن کارناموں کی تشریح کر دی جائے جو صرف مورخین عرب نے قلمبند کئے ہیں۔ علامہ مہجی فرماتے ہیں۔

(الف) انفق له وتائع كثيره وفتح قلاعاً ونفذت كلمة واتسمت مملكة واخرب الكنايس وعمر شعائد الاسلام.

(الف) ملک عنبر کو بہت سے واقعات پیش آئے اس نے قلعے مسخر کئے نافذ الکلمہ ہو گیا مملکت میں وسعت آگئی۔ صومعے ویران کر ڈالے اور شعائر اسلام آباد کئے۔

(ب) ازال المظالم وعمرها واخمد الفتنة والبدعة وعمر المساجد والماتروکان مؤيداً في زوبه ومغازيه مسدداً في رايد مسعوناً في احواله.

(ب) ان اطراف سے مظالم کی بیخ کنی کر دی ملک کو آباد کیا شورش و فساد و بدعت کی گرم بازاری سرد ہو گئی۔ مسجدیں آباد کیں فضائل حسنہ رائج کئے لڑائیوں میں کامیاب رہا

صائب الرائے تھا اور اس کے حالات زندگی پر سعادت غالب تھی۔

(ج) كان كثير الا حسان الى الساده واهل العلم وقصده الناس من جميع البلدان فغمرهم باحسانه وخصوصاً اهل تريم من السادات وكان يحسن المشايخ الطريق والصرفية وكان عصره احسن الا عصاره و زمانه انقرا الا زمانه.

(ج) سادات و اہل علم کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ہر ملک کے لوگ اس کے دربار میں آئے جو اس کے دریائے جو دو کرم میں غرق ہو گئے۔ خصوصاً سادات تريم (يمن) کی بڑی بزرگداشت کی۔ مشائخ طریقت و صوفیہ کرام کے ساتھ بڑا احسان کرتا تھا اس کا زمانہ بڑا بہترین زمانہ اور اس کا عہد حکومت بڑی خوشحالی کا عہد تھا۔

(د) كان يحمل كل سنة الى حضر موت من الاموال والكسوات للسارة والمشايع والفقراء ما يقوم بهم سنة.

(د) حضر موت میں سادات و مشائخ و فقراء کے لئے ہر سال عطیات و ملبوسات بھیجا کرتا تھا جو سال بھر تک کے لئے انہیں کافی ہوا کرتے تھے۔

(ه) ولو كان له ديوان مرتب باسم ارباب الرسوم والقصاد.

(ه) اس کے ہاں ایک خاص دفتر تھا جس میں ان تمام لوگوں کے نام درج تھے جو اس کے وظیفہ خوار تھے یا مالی اغراض سے اس کے دربار کا قصد کیا کرتے تھے۔

(و) وقف اربعة قزان مدينة تريم ودقف بمكة والمدينة مصحفين واشترى في الحرمين دوراً ودققها على من يقر فيهما ويهدى ثواب القراءة اليه.

(و) قرآن کریم کی چار جلدیں شہر تريم میں ایک ایک جلد مکہ و مدینہ شریف میں وقف کی تھی حرمین محترمین میں زمینیں خرید کر وقف کر دی تھیں کہ لوگ یہاں قرآن خوانی کریں اور تلاوت کا ثواب اس کو بخشیں۔

(۱۳)

دکن میں سلسلہ آب پاشی کی توسیع کے لئے ملک عنبر نے ایک نہر (کرکی) پر اپنی مہندسا نہ قابلیت آزمائی تھی جو اس کی بہترین یادگار ہے۔ اس کا واقعہ بھی عجیب ہے جسے تاریخ نے یوں لکھا ہے۔

من اشارہ الحسنہ قیمر تحت البلاد ولا تنفع به وسبب ذالک ان بعض وزراء عادل
شاہ وهو المولیٰ محمد الخراسانی استبعه وقوع ذالک السعته و کثرة سائنه و ظن
انه یحتاج الی عمل کثیر لا یقدر علیہ احد من المخلوقات و عزم ماہ کثیر للملک
عنبر ان قدر علی ذالک فشرع فیہ وما عدہ القدر فکمل العمل فی خمسہ
اشهر و جعل له قنوات تجری الی البساتین و الزراعات و کثر به النقع و جمع من فی
ذالک المكان من السارة و الا عیان و الغم علیہم و اجزل الحمد قات و کافت ماتہ
فی سنہ اربع و عشرين و الف و اخترع الفضلا لذلك تواریخ عدیده بكل لسان
و من الطف ما قیل فیہ "خیر جاری"

ملک عنبر کے آثارِ حسنہ میں ایک نہر کر کی ہے جسے اس نے بند کرادیا کہ لوگ اس کے پانی
سے فائدہ نہ اٹھا سکیں یہ ایک بڑی بھاری نہر ہے جو متعدد شہروں کے نیچے بہتی ہے مگر اس سے
انتفاع ممکن نہیں سبب یہ ہے کہ دربار عادل شاہ کے ایک وزیر (ملا محمد خراسانی) ایسا ہونا بعید الوقوع
جانتے تھے کیونکہ یہ بڑی گہری وسیع لمبی چوڑی تھی اور اس میں پانی بہت تھا ملا محمد خراسانی کو گمان تھا
کہ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ مخلوقات میں کوئی بھی اسے انجام نہیں دے سکتا ملائے مذکور نے شرط باندھی
تھی کہ ملک عنبر ایسا کر سکے تو انہیں بہت سارے روپیہ تاوان دیں گے ملک عنبر نے یہ کام شروع کر دیا
تقدیر نے مدد دی اور پانچ ہی ماہ میں کام پورا ہو گیا اس نہر میں سے ملک عنبر نے چھوٹی چھوٹی نہریں
نکلوائیں جو باغوں اور زراعتوں کو سیراب کرتی تھیں اور جن سے بڑے بڑے منافع حاصل ہوئے
تکمیل عمل کے بعد بہت سے سادات و شرفاء کو جمع کر کے انعامات دیئے اور بڑی خیرات کی یہ واقعہ
تعمیر ۱۰۲۳ھ کا ہے ارباب فضیلت نے یہ ایک زبان میں اس کی تاریخیں نکالی ہیں جن میں لطیف
تریں مادہ تاریخ "خیر جاری" ہے۔

یہ واقعہ ایک تو ملک عنبر کے فاضلانہ علمی کمالات پر روشنی ڈالتا ہے۔ کہ علم ہندسہ میں وہ کیا
کچھ کمال رکھتا تھا۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ دربار عادل شاہی اگرچہ اس کا سخت دشمن
تھا مگر اہل دربار میں ایسے لوگ بھی تھے جو اس کے ساتھ راہ و رسم رکھتے تھے جس کے باعث تلاش
کرنے ہوں تو ملک عنبر کے فضائل و معارف اور اس کے ساتھ راہ و رسم رکھنے والوں کے ذوق علمی
کی ضمن میں تلاش ہو سکتے ہیں اور دستیاب بھی وہیں سے ہوں گے۔

(۱۴)

عربی تاریخ میں ملک عنبر کے واقعات زندگی میں ایک بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ قصہ جماعۃ عن مشاہیر شعراء عصرہ من البلاد اشاعہ ومدحوہ باحسن المدایح۔ مشاہیر شعرائے زمانہ کی ایک جماعت نے دُور دُور کے ملکوں سے اس کے دربار میں آ آ کر خوب خوب مدحہ قصیدے اس کی شان میں کہے۔

یہ وہ بات ہے جس پر آج کل یا تو اچھتی نگاہیں پڑیں گی یا اس کو باد خوانی اور بادہ فروشی کا ایک لغو فعل کہا جائے گا کہ مداحی و مبالغہ آرائی قوم کے حق میں ہمیشہ بدترین تاثیر بد مذاقی کا موجب ہوا کی ہے۔

ہم کو اس فلسفہ پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم صرف اس قدر بتانا چاہتے ہیں کہ ملک عنبر کی زبان عربی تھی اس نے عرب میں تربیت پائی تھی۔ اس کے مداح عام شعرائے عرب تھے۔ جو عراق و مصر و شام و افریقہ تک سے ہندوستان آتے تھے۔ اور اس کے خوانِ کرم سے فیضیاب ہو کر واپس جاتے تھے۔

دکن میں عربیت کی بنیاد اسی علمی چرچے نے استوار کی اور ہندوستان اس ماندہ ادب عرب سے ذوق گیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

عربی لٹریچر سے جن لوگوں کو دلچسپی ہے وہ اعتراف کریں گے کہ اس باب میں بھی ہندوستان ملک عنبر کا رہنما احسان ہے۔



المقنع

میرزا غالب کا ایک شعر ہے کہ:-

چھوڑا مہِ نخشب کی طرح دستِ قضائے

خورشیدِ ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

میرزائے مرحوم فرماتے ہیں کہ دستِ قدرتِ سورج کو بنا رہا تھا۔ ابھی وہ لمعانی و درخشانی میں میرے معشوق کے برابر نہ ہوا تھا کہ اسے ”ماہِ نخشب“ کی طرح چھوڑ دیا گیا۔ اس شعر کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ”ماہِ نخشب“ ایک نامکمل یا برائے نام چاند تھا۔ لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ”ماہِ نخشب“ کیا تھا؟ اس کا موجد کون تھا اور اس عجیب و غریب چیز کی اصلیت و ماہیت کیا تھی؟ ان سوالوں کا مدلل و مستند جواب مولینا ظفر علی خاں کے مندرجہ ذیل مضمون سے حاصل کیجئے۔ (مرتب)

دنیاۓ اسلام میں وقتاً فوقتاً کچھ سر پھرے لوگ ایسے پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے رسالت بلکہ خدائی تک کے دعویٰ سے جہلا و حما کی ایک جماعت کو اپنا حلقہ بگوش بنا کر کچھ دیر کے لئے اپنا اُلوسیدھا کر لیا ہے۔ المقنع کا شمار بھی شوریدہ سر جماعت میں ہے۔ مہدی عباسی کے عہدِ خلافت میں ۸۰ء کے قریب اس شخص نے خراسان میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور چونکہ خدا اپنے بندوں کا مطیع ہو کر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے المقنع کے دعویٰ نے بہت جلد سیاست کی شکل پکڑ لی یہاں تک کہ خلافت کو اس کی سرکوبی کے لئے ایک فوج جرائد بھیجی پڑی جب مقابلہ کرتے کرتے وہ عاجز آ گیا اور کوئی صورتِ مفر کی اسے نظر نہ آئی تو آگ میں جل کر مر گیا کہ الوہیت اور نوبت کے ایسے مدعیوں کا ایسا ہی انجام ہونا چاہئے۔ اسے المقنع کیوں کہتے تھے۔ اور اس کی شکل صورت کیسی تھی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب ہم ابوریحان بیرونی ابنِ خلکان ابنِ اثیر اور قزوینی کی زبانی دیں گے کہ ان مصنفین میں سے ہر ایک نے اس بارے میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔

اقتباس از بیرونی:

”اس زمانہ میں ہاشم بن حکیم جو المقنع کے نام سے مشہور ہے مرو کے ایک گاؤں کو اکی مردان میں ظاہر ہوا چونکہ وہ کانا تھا اس لئے اپنے عیب یک چشمی کو چھپانے کے لئے منہ پر سبز ریشم کا نقاب ڈالے رہتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ خدا مثل و مجسم ہو کر میری شکل میں ظاہر ہوا ہے کہ انسان کو خدا صرف اسی طرح نظر آسکتا ہے دریا ئے جیحوں کے پار اتر کر اس نے اضلاع کش و نسف کا رُخ کیا اور خاقان چین کے ساتھ نامہ و پیام کر کے حکومت وقت کے خلاف اس سے طالب امداد ہوا۔ اس عرصہ میں فرقہ مبیضہ اور ترکوں کی ایک جماعت کثیر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی تھی اور وہ علم بغاوت بلند کر چکا تھا۔ جو کوئی اس کا مقابلہ کرتا تھا اسے وہ بیدریغ قتل کر ڈالتا تھا۔ اور اپنے حریفوں کے مال و متاع اور عورتوں کو اپنی جماعت میں تقسیم کر دیتا تھا خلیفہ مہدی عباسی کی جو فوجیں شروع شروع میں اس فتنہ کو مٹانے آئیں۔ ان سب کو اس نے شکست دی۔ اور چودہ سال تک وہ اس علاقہ میں کامل خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتا رہا لیکن بالآخر اپنے قلعہ میں گھر گیا اور ۱۶۹ھ میں مارا گیا۔ جب چاروں طرف سے قشون قاہرہ خلافت نے اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اسے کوئی صورت بچنے کی نظر نہ آئی تو وہ آگ کے ایک دہکتے ہوئے الاؤ میں کود پڑا تا کہ اس کا جسم جل کر خاک سیاہ ہو جائے۔ اور اس کا کوئی نشان باقی نہ پا کر اس کی جماعت اس کے دعویٰ الوہیت کو آخر وقت تک صحیح سمجھتی رہے۔ لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی جب اسلامی لشکر قلعہ کے اندر داخل ہوا تو اس کی جھلسی ہوئی لاش بھٹی کے اندر پڑی ہوئی پائی گئی چنانچہ اس کا سر کاٹ کر خلیفہ مہدی کے پاس بمقام حلب بھیج دیا گیا مادر النہر میں ابھی تک ایک فرقہ ایسا موجود ہے جو اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے لیکن درپردہ اس کے مذہب کا پیرو ہے المقنع کے سوانح زندگی کا میں نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے اور اپنی کتاب ”تاریخ فرقہ مبیضہ و فرقہ قرامطہ“ میں اس موضوع پر شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔“

فرقہ مبیضہ و فرقہ قرامطہ کی جس تاریخ کا علامہ ابوریحان بیرونی نے حوالہ دیا ہے افسوس ہے کہ دستبروزگار سے وہ تلف ہو گئی ہے۔ اور اس کا ایک نسخہ بھی اس وقت دنیا میں موجود نہیں۔ علامہ ممدوح کی ایک اور کتاب ”قانون مسعودی“ کے ساتھ بھی انقلاب روزگار شاید یہی سلوک کرتا۔ لیکن سرسید احمد خاں مرحوم و مغفور کا ذوق علمی اس بدیع المنزلت تصنیف کا ایک نسخہ

زمانہ کی علمی لوٹ سے بچا کر علی گڑھ میں لے آیا تھا۔ مسلمانوں کی بد مذاقی کا یہ عالم ہے کہ مدتوں یہ نسخہ مدرستہ العلوم کی الماریوں میں مقفل پڑا رہا۔ اور کسی کو اس کی ورق گردانی کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ آخر ایک نامسلمان مغربی نقاد نے اس گوہر بے بہا کو وزج گمنامی میں سے نکالا۔ اور ہمارے معلموں کو خدا خدا کر کے اس کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا لیکن کئی سال سے وہ اس فکر میں ہیں کہ اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا جائے مسلمانوں میں کوئی پروفیسر سخاوت تو ہمیں نظر نہیں آتا۔ جس کی مساعی جمیلہ سے یہ بیل منڈھے چڑھے سردست اگر کارفرمایان علی گڑھ اصل عربی نسخہ ہی کو شائع کر دیں تو علم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے والے کئی خدا کے بندے نکل آئیں گے۔ اور ابوریحان بیرونی کی یہ نادر المثل یادگار زندہ جاوید ہو جائیں گی۔

اقتباس از ابن خلکان:

المقتنع الخراسانی جس کا اصلی نام عطا ہے لیکن جس کے باپ کا نام مجھے معلوم نہیں اگرچہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے باپ کا نام حکیم تھا۔ مرو میں رنوگری کا پیشہ کیا کرتا تھا۔ سحر و نیر نجات میں تھوڑی بہت مہارت پیدا کرنے کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ میں خدا کا مظہر مثالی یعنی اوتار ہوں جو مجھ میں حلول کر کے ظاہر ہوا ہے اپنے پیروؤں سے وہ کہا کرتا تھا کہ خدائے جل وعلا نے پہلے آدم کا روپ دھارا اور اسی لئے اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کریں۔ (فسجد والا ابلیس ابی واستکبر) چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا۔ البتہ ابلیس نے ازراہ تجتر سجدہ کرنے سے انکار کیا اور خدا کے قہر و غضب کا بجا طور پر مورد ہوا۔ آدم کے بعد خدا نے نوح علیہ السلام کے جسم میں حلول کیا۔ اور نوح کے جسم سے نکل کر مختلف انبیاء و حکماء کو اپنی تجلیات کا مظہر بناتے ہوئے ابو مسلم خراسانی کی شکل میں ظاہر ہوا جس کے بعد اس کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا ظہور مجھ میں ہوا ہے باوجودیکہ عقل سلیم ان تمام باتوں کی نفی کر رہی تھی اور اس کی وضع قطع میں بھی جناب باری کی کوئی شان جمالی جھلکتی ہوئی نظر نہ آئی تھی۔ اس لئے کہ وہ کریمہ المنظر یک چشم اور پست قامت تھا۔ اور ساتھ ہی ہکلاتا بھی تھا۔ اور اپنی زشت روئی کو چھپانے کے لئے ہمیشہ چہرہ پر ایک طلائی نقاب ڈالے رہتا تھا۔ اور اسی لئے اسے المقتنع یعنی نقاب پوش کہتے تھے۔ پھر بھی بہت سے سادہ لوحوں پر اس کے دعاوی کا جادو چل گیا۔ جنہوں نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ اور اس کی حمایت میں مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ المقتنع نے اپنے معتقدین کے دلوں پر جو قالو پالیا

تھا اس کا باعث کچھ ساحرانہ شعبدے تھے جن کی نظر فریباں جہلا پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکتی تھیں ان شعبدوں میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے ایک نقلی چاند بنا کر لوگوں کو دکھادیا تھا جس کی روشنی دو مہینے کی مسافت پر نظر آتی تھی۔ ”چاند“ چونکہ قصبہ نخشب کے ایک کنوئیں سے طلوع ہوتا تھا۔ اس لیے اسے ماہ نخشب کہتے ہیں۔ (مرتب) اس طلسمی چاند نے اس کے معتقدین کے حلقہ کو نہایت وسیع کر دیا۔

”جب المقنع کی شہرت دُور دُور پھیل گئی۔ اور اس کے فتنہ سے اسلام میں خلل پیدا ہونے لگا تو مسلمان اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس پر حملہ کر کے اس کے قلعہ کو جس میں اس نے پناہ لی تھی گھیر لیا۔ موت کو سر پر منڈلانے دیکھ کر اس نے پہلے تو اپنی عورتوں کو جمع کر کے انہیں زہر کا ایک پیالہ پینے کو دیا جسے پی کر وہ ٹھنڈی ہو گئیں۔ اور پھر خود بھی ایک پیالہ اسی سم قاتل کا چڑھا کر واصل جہنم ہوا۔ مسلمانوں نے قلعہ میں داخل ہو کر اس کے تمام ہمراہیوں کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۶۳ھ میں پیش آیا۔

”مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ المقنع کا قلعہ کس مقام پر واقع ہے اور اس کا کیا نام ہے آخر یا قوت حموی کی تصنیف ”کتاب الشہات“ میری نظر سے گزری جس میں ایک نام کے متعدد مقامات کی تشریح کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اس فصل میں جس کا موضوع سنام ہے یا قوت لکھتا ہے کہ اس نام کے چار مقام ہیں جو تھا قلعہ سنام ہے جو المقنع خارجی نے مادراء النہر میں تعمیر کیا تھا۔ تاریخ خراسان سے بھی یا قوت حموی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔“

اقتباس از ابن اثیر:

”المقنع کا نام حکیم تھا۔ اس کی یہ تعلیم کہ وہ خدا کا مظہر مثالی ہے۔ اس کے معتقدین کی ایک منتخب جماعت کے لئے مخصوص تھی۔ جس پر اس نے ظاہر کیا تھا کہ ابو مسلم خراسانی سے الوہیت منتقل ہو کر بطریق حلول ہاشم میں چلی آئی ہے۔ ہاشم سے اس کی مراد خود اپنی ذات سے تھی۔ چنانچہ اس کی جماعت میدان جنگ میں یا ہاشم اعنا (اے ہاشم ہماری مدد کر) کا نعرہ لگاتی تھی۔ سعد اور بخارا کا فرقہ مبیضہ اور مشرکین اتراک کا ایک گروہ اس کا شریک حال ہو گیا تھا اس کا عقیدہ تھا کہ ابو مسلم خراسانی کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اونچا ہے جب اسلامی سپہ سالار سعید الحرثی نے اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تو امان کے وعدہ پر اس کے تیس ہزار ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیئے صرف دو ہزار شخص ایسے تھے جنہوں نے آخر وقت تک اس کا ساتھ دیا یہ دیکھ کر کہ

اب موت سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ اس نے اپنے اہل و عیال کو جمع کیا اور زہر پلا کر ان کا کام تمام کر دیا۔ پھر حکم دیا کہ اس کو جلتی آگ میں جھونک دیا جائے۔ تاکہ اس کے دشمن اس کے جسم پر قابو نہ پاسکیں ایک روایت یہ ہے کہ پہلے اس نے قلعہ کے تمام سامان اور مال و متاع کو جس میں چوپائے تک شامل تھے جلا کر خاک سیاہ کر دیا اور پھر کہا کہ جس کو میرے ہمراہ بہشت میں جانا ہو وہ میری طرح اس بھڑکتی آگ میں کود پڑے غرض وہ اپنے کنبہ اور اپنے خاص خاص رفیقوں کے ساتھ جل کر راکھ ہو گیا۔ اور جب فوج قلعہ میں داخل ہوئی تو ایک بھی متنفس موجود نہ تھا۔ اس واقعہ نے المقتنع کے مریدوں کی بقیۃ السیف جماعت کا عقیدہ اور بھی مضبوط کر دیا۔ اس جماعت کا ایک گروہ مبیضہ ہے جو ماوراء النہر میں بستا ہے اور اپنے عقیدہ کو مخفی رکھتا ہے مبیضہ انہیں اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سفید لباس پہنتے ہیں ایک روایت یہ بھی ہے کہ المقتنع آگ میں جل کر نہیں بلکہ زہر پی کر مر گیا۔ اور الحشری نے اس کا سر کاٹ کر خلیفہ مہدی کے پاس بھیج دیا جو اس وقت (۱۶۳ھ) ایک فوجی مہم پر حلب گیا ہوا تھا۔

اقتباس از قزوینی:

علامہ قزوینی آثار البلاد میں نخب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”نخب خراسان کا ایک مشہور شہر ہے جس کی خاک سے متعدد اولیاء و حکماء اُٹھے ہیں حکیم المقتنع کا تعلق بھی اسی شہر سے ہے۔ اس نے یہاں ایک کنواں بنایا تھا جس میں سے ایک چاند نکلتا تھا اور لوگوں کو اصلی چاند کی طرح نظر آتا تھا۔ نخب کی شہرت اطراف و کناف عالم میں پھیل گئی۔ اور لوگ دور دور سے اس عجوبہ کو دیکھنے کے لئے نخب آنے لگے۔ لوگ اس کو جادو کا چاند سمجھتے تھے لیکن دراصل یہ علم مناظر و مرایا کا ایک کرشمہ تھا کہ المقتنع کو اس میں پوری مہارت حاصل تھی چنانچہ جب کنوئیں کی تہ میں اتر کر دیکھا گیا۔ تو ایک بہت بڑا طشت پارہ سے بھرا ہوا نظر آیا جس پر چاند کی شعاعیں پڑتی تھیں اور انعکاس و انعطاف ضیائے قمر سے پردہ نگاہ پر ایک خاص حکمت سے چاند کی تصویر اتر آتی تھی۔ بہر حال المقتنع نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ اور اس کی شہرت ایسی پھیلی کہ اس کا نام ضرب المثل ہو کر اشعار میں داخل ہو گیا۔“

ان اقتباسات میں ناظرین نے بعض جزئی اختلافات ملاحظہ فرمائے ہوں گے بیرونی نے المقتنع کا نام ہاشم ظاہر کیا ہے۔ ابن خلکان کہتا ہے کہ اس کا نام عطا تھا ابن اشیر کے بیان کے

بموجب اس کا نام حکیم ہے۔ کنیت میں بھی اختلاف ہے۔ اس کا سال وفات بھی مختلف ہے۔ ابن خلکان اور ابن اثیر نے ۱۶۳ھ لکھا ہے بیرونی ۱۶۹ھ لکھتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ وہ اپنے قلعہ میں محصور ہو کر زہر سے مرایا آگ میں جل کر۔ لیکن یہ خفیف جزئیات ہیں۔ جن سے اس کی شخصیت اور اس کی زندگی کے نمایاں واقعات کی تاریخی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا۔ ان جزئیات سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔

ہمارے پیش نظر المقنع کی صرف دو بڑی حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے جناب باری کے بروز ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور ایک جماعت اپنے پیجاویوں کی پیدا کر لی۔ دوسرے یہ کہ ماہ نخب کے صانع ہونے کے لحاظ سے وہ ایک بہت بڑا حکیم تھا۔ پہلی حیثیت پر مزید خامہ فرسائی کرنا ایک فعل عبث ہے۔ سیلمہ کذاب کے وقت سے لے کر آج کے دن تک بیسیوں خطبی ایسے پیدا ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے جن میں سے کسی کے سر میں خدا کے رسول بننے کا سودا سمایا ہے۔ اور کوئی اس منصب کو بھی اپنے درجہ سے گرا ہوا سمجھ کر الوہیت کی مسند پر جا بیٹھا ہے اس لئے یہ کوئی نئی بات نہیں لیکن آج سے تقریباً بارہ سو سال پہلے خراسان میں ایک شخص کہ علم مناظر و مرایا اور اصول انعکاس و انعطاف ضیا سے اس حد تک واقف ہوتا کہ وہ اس کی بنا پر ایک عجیب و غریب ایجاد کر سکے۔ عام اس سے کہ اس ایجاد کا کوئی سود مند یا تجارتی پہلو ہو یا نہ ہو ایک ایسا واقعہ ہے جسے شیدائیان علوم و فنون نظر انداز نہیں کر سکتے۔



الہام کے ذریعہ سے مسمریزم اضغاث احلام کی مغربی متصوفانہ شکل

(۱)

مسمریزم کی بنیاد عقل پر ہو یا نہ ہو۔ اس کے کرشموں کی کوئی فلسفیانہ توجیہ کی جاسکے یا نہ کی جاسکے۔ لیکن شک لانے والوں کو یہ بات تو خواہی نخو اہی ماننی پڑے گی کہ مسمریزم ایک حقیقت نفس الامری ہے۔ اور اس کے مظاہر سے انکار کرنا بد اہت کا منکر ہونا ہے۔

اس دنیا میں ایک انوکھی جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو ہر بات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کا پوچھنا ہی کیا یہ تو جو اس خمسہ کی شہادت کو بھی فریب نظر سمجھیں گے آفتاب کی روشنی تک بہ نگاہ ارتیاب دیکھیں گے نیل کی موجوں پر بھی انہیں سراب کا دھوکا ہوگا حقیقت یہ ہے کہ شک ایک مرض ہے جو انہیں گھن کی طرح لگا ہوا ہے۔ اور ان کے دل و دماغ اور اعضاء و جوارح کو دیمک کی طرح چاٹنا چلا جا رہا ہے۔ کوئی بات کیسی بھی ابدہ البدیہیات ہو۔ ان کے سامنے بیان کیجئے لیکن بد قسمتی سے اس کا کوئی منطقی ثبوت پیش نہ کیا جاسکتا ہو تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم نہ مانیں گے ایسے سو فسطائی متشکلکین کے منہ لگنا مفت میں اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔

آج کل کی علمی دنیا کا یہ ایک پراسرار مگر مانا ہوا واقعہ ہے۔ کہ انسان محض اپنی قوت ارادی سے اپنے کسی ہم جنس کو اس درجہ متاثر کر سکتا ہے کہ اس کی حالت عنصری و ذہنی میں ایک غیر معمولی اور فوق الادراک تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اور دیکھنے والوں کو یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ حالت تبدیل شدہ قریب قریب موت کے مشابہ ہے۔ اس عالم میں وہ شخص جس پر اثر ڈالا گیا ہے اگرچہ اپنے حواس خمسہ خارجہ سے تو بہت ہی خفیف اور بہت ہی ضعیف کام لیتا ہے۔ لیکن اس کی قوت مدرکہ باطنیہ حالت بیداری کے مقابلہ میں بہت زیادہ تیز ہو جاتی ہے اور حدت احساس و ذکاوت

ادراک کا پرتو اس کے تو اے مخفیہ پر کسی ان دیکھی اور ان بوجھی روشنی کے وہ جلوے بکھیرتا ہے جو ان آنکھوں نے نہ دیکھے تھے اس کے نفس ناطقہ کی عقلی اثران بہت بلند ہو جاتی ہے۔ صاحب توجہ کے ساتھ اس کا روحانی تعلق بہت ہی گہرا ہو جاتا ہے۔ اور جب توجہات کے اس سلسلے میں تعامل کی کثرت شامل ہو جاتی ہے تو معمول کے تاثرات کا اشتداد اور ان کے محیر العقول نتائج کا تنوع اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

مسمریزم کی ان خصوصیات عمومی سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ اور ان کے لئے کوئی منطقی ثبوت پیش کرنا محض تحصیل حاصل ہے۔ آج کل کی دنیا ذہنیات و روحانیات میں اس حد تک ترقی کر چکی ہے کہ ناظرین کا وقت میں ایسی لاطائل بحث میں پڑ کر ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اس تحریر سے میرا مقصد کچھ اور ہی ہے دنیا خواہ میری باتوں کو کیسا ہی لے سرو پا خیال کیوں نہ کرے لیکن میں نے اپنے جی میں ٹھان لی ہے۔ کہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب مکالمہ کو اپنی طرف سے کسی حاشیہ آرائی کے بغیر من و عن سپرد قلم کر کے ہی رہوں گا۔ جو میرے اور ایک سوتے جاگتے کے درمیان کچھ دن ہوئے واقع ہوا تھا۔

مجھے مسمریزم کا فن اچھی طرح آتا ہے۔ ایک صاحب جن کا نام مسٹر وینکرک تھا میرے معمول تھے۔ جو بے حد ذکی الحس واقع ہوئے تھے ایک مدت سے وہ میرے زیر مشق تھے۔ اور حسب معمول میری توجہات نے ان میں ”علو ادراک“ کی وہ بصیرت افروز خاصیت پیدا کر دی تھی جو مسمریزم کے معمولین کا خاصہ ہے۔ بے چارے کئی مہینے سے سل کے مرض میں مبتلا تھے اور مرض آخری درجے میں پہنچ چکا تھا مرض کی تکلیف جب بہت ہی بڑھ جاتی تھی تو وہ مجھے بلا بھیجتے تھے۔ میں عقدا نائل سے انہیں سلا دیتا تھا۔ اور مسمریزم کی نیند کے آتے ہی مریض کا درد و کرب جاتا رہتا تھا ماہ رواں کی پندرہویں تاریخ تھی اور چہار شنبہ کی کی شب تھی۔ کہ مسٹر وینکرک کا ملازم بے تحاشا بھاگتا ہوا آیا۔ اور رونی صورت بنا کر کہنے لگا کہ میاں تو دم توڑ رہے ہیں چلئے آخری بار ان کا منہ دیکھ لیجئے میں نے اوور کوٹ پہنا اور لکڑی ہاتھ میں لے کے افنتاں و خیزاں مریض کے مکان پر پہنچا۔

مریض بستر پر پڑا درد سے کراہ رہا تھا۔ حوالی قلب میں رہ رہ کے ٹیسس اٹھ رہی تھیں۔ اور سانس رُک رُک کے آرہی تھی اسی قسم کی علامات جب مریض پر پہلے طاری ہوتی تھیں تو مراکز اعصاب پر رائی کا پلستر لگانے سے اسے افاقہ ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن آج رات یہ علاج بھی

بے سود ثابت ہوا۔

میں جب کمرہ میں داخل ہوا تو مسٹر وینکرک نے کوشش کی کہ حسب معمول میرا بہ خندہ پیشانی خیر مقدم کریں لیکن فرط نقاہت اور شدت کرب نے اس کوشش کو بہت زیادہ کامیاب نہ ہونے دیا پھر بھی یہ ایک عجیب بات تھی کہ جسمانی تکلیف کے باوجود ان کی دماغی و ذہنی حالت بہت اچھی تھی۔ اور ان کا قلب مطمئن تھا۔ میرے آنے کے بعد یہ اطمینان بہت کچھ بڑھ گیا۔ درد میں کسی قدر افاقہ ہو گیا اور انہوں نے مجھے اس طرح خطاب کیا۔

میں نے آج رات آپ کو کچھ اس لئے تکلیف نہیں دی کہ آپ میرے جسمانی درد کی دوا کریں بلکہ مقصد اس تکلیف دہی کا صرف اس قدر تھا کہ کچھ مدت سے بعض روحانی کیفیات مجھ پر ایسی طاری ہو رہی ہیں کہ میں بہت ہی مشوش و متحیر ہو گیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری راہ نمائی کریں اور کسی طرح مجھے اس گرداب تشویش سے نکالیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ اب تک میں مسئلہ بقائے روح کو بہ نگاہ شک دیکھتا رہا ہوں اس سے تو مجھے انکار نہیں ہو سکتا کہ خود اس روح کے اندر بھی جس کا میں منکر بنا رہا ہوں ایک ایسی نیم ادراکی واردات پائی جاتی ہے جو خود اس کے وجود پر شاہد ہے مگر یہ نیم ادراکی واردات بھی کبھی پایہ یقین کو نہیں پہنچی۔ میری عقل کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اور استدلال و استنباط یہاں بے کار تھا۔ میں نے جب کبھی از روئے منطق کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہا تو شک کی دلدل میں پہلے سے بھی زیادہ پھنس کے رہ گیا۔ مدت ہائے دراز کے غور و فکر کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص از روئے عقل سلیم اپنے باقی اور غیر فانی ہونے کے متعلق کوئی یقینی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہو تو محض ان مجردات تنزیہی کی وساطت سے جن پر انگلستان، فرانس اور جرمنی کے اخلاق آموز فلاسفر آئے دن دھواں دھار مضامین سپرد قلم کیا کرتے ہیں۔ وہ کبھی درجہ یقین نہیں حاصل کر سکتے۔ مجردات عقلی، دماغی تفریحی اور ذہنی ورزش کے لئے تو بڑی اچھی چیزیں ہیں لیکن دل انہیں نہیں مانتا کسی دوسری دنیا کا عالم کچھ اور ہو تو لیکن یہ کرہ زمین جس پر ہم بستے ہیں کم از کم اس میں تو فلسفہ ہمیں ہرگز یہ بات نہ منوا سکے گا کہ شے کی صفت عین شے ہے یعنی ہمیں صفات ہی پر اس حیثیت سے نظر ڈالنی چاہئے کہ وہ اشیاء ہیں خواہش ایک جداگانہ بات ہے ممکن ہے کہ ہمارا جی چاہے تو صفات کو اشیاء مان لیں لیکن روح کبھی نہ مانے گی عقل کبھی نہ مانے گی نفس ناطقہ کبھی نہ مانے گا۔

یقین مانئے کہ حقیقت بقائے روح کی اس ادھیڑ بن میں مجھے اصلیت کا رہ کے کچھ

احساس تو ہوا۔ اور وہ بھی ناقص تھا لیکن عقلاً مجھے یہ بات کبھی باور نہ آئی البتہ گزشتہ چند دنوں سے میری واردات قلبی میں ایک خاص قسم کا اشتداد پیدا ہونے لگا ہے۔ اور یہ اشتداد بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ یہ میرا نیم احساس کامل اور یہ کامل احساس ادراک میں منضم ہو گیا اور میرے لئے ان دونوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ اپنے قوائے اندرونی کی اس کیفیت کا جب میں سراغ لگاتا ہوں تو مجھے یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ یہ کیفیت مسمریزم کے تاثرات کا نتیجہ ہے شاید میں نے اپنے مفہوم کو واضح نہیں کیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب مجھ پر مسمریزم کا عمل ہوتا ہے۔ اور میرے قوے رو بصعود ہوتے ہیں تو میرے پیش نظر استدلال عقلی کا ایک ایسا نورانی عالم ہو جاتا ہے جو بیہوشی میں تو ظلیات کو یقینات سے بدل دیتا ہے لیکن بیداری میں صرف اثرات باقی رہ جاتے ہیں جب میں سوتی جاگتی حالت میں ہوتا ہوں تو استقر اور اس کا نتیجہ یعنی علت غائب ہو جاتی ہے۔ صرف معلول باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ بھی شاید کمالاً ”نہیں بلکہ جزء۔“

ان تمام مراتب پر غور کرتے کرتے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر مسمریزم کی نیند کی حالت میں مجھ سے پُر مغز سوالات کئے جائیں تو عجب نہیں کہ میرے جوابات نئی نئی حقیقتوں کے کاشف ہوں۔ اور جو حقیقتیں اب تک پوشیدہ ہیں ان کے چہرے سے نقاب اٹھ جائے۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا۔ کہ جو لوگ نیند میں چلا کرتے ہیں انہیں باوجود خوابیدگی کے بھی اپنی ہستی کا نہایت گہرا احساس ہوتا ہے۔ اور ان تمام مراتب کا جو مسمریزم کی حالت سے تعلق رکھتے ہیں انہیں نہایت وسیع علم ہوتا ہے آپ اس خود شناسی کی پُر اسرار کیفیت کو پیش نظر رکھ کر مجھے سلا دیجئے اور سوالات کو دیکھئے کیا عجب ہے کہ انکشاف حقائق عجیبہ کا یہی ایک ذریعہ ہو جائے۔

میں خود ان دقیق مسائل میں بہت دلچسپی لیتا ہوں۔ مسٹر وینکرک نے جو بات سمجھائی تھی وہ میرے دل میں بیٹھ گئی۔ ہاتھ کی چند ہی برق آلو جنبشوں میں میں نے انہیں سلا دیا۔ ان کا تنفس آسان ہو گیا اور جسمانی بے چینی کے تمام آثار غائب ہو گئے۔ اس کے بعد مجھ میں اور سونے والے میں ذیل کے سوال و جواب ہوئے۔ مکالمہ میں ”وہ“ سے مراد مسٹر وینکرک ہیں اور ”میں“ سے خود میں۔

میں:۔ کیا نیند آگئی۔

وہ:۔ ہاں۔ نہیں۔ نہیں۔ ابھی صرف اُونگھ رہا ہوں۔ اور گہری نیند سو جانا چاہتا ہوں۔

میں :- (ہاتھ کی چند اور جنبشوں کے بعد) اب تو سو گئے؟

وہ :- ہاں۔

میں :- بھلا یہ تو بتاؤ۔ کہ تمہارے اس موجودہ مرض کا کیا انجام ہوگا؟

وہ :- (بہت کچھ تامل کے بعد اس انداز سے کہ گویا بات کرنی بڑی مشکل ہے میرے لئے مرنا ضرور ہے)۔

میں :- کیا موت کے خیال سے تمہیں صدمہ تو نہیں ہوتا؟

وہ :- (با مادگی تمام) نہیں ہرگز نہیں۔

میں :- کیا اس خیال سے تم خوش ہو؟

وہ :- اگر میں عالم بیداری میں ہوتا تو موت کی تمنا کرتا۔ لیکن اس وقت میرے لئے مرنا جینا

برابر ہے مسمریزم کی یہ حالت موت سے کچھ ایسی ملتی جلتی واقع ہوئی ہے کہ اس حالت پر میں بالکل قانع ہوں۔

میں :- آپ کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھا براہ کرم اپنے قول کی شرح فرمادیجئے۔

وہ :- امتثال امر میں مجھے عذر نہیں لیکن اس وقت بات کرتے ہوئے مجھے اپنی روح پر اپنی سکت

سے زیادہ زور ڈالنا پڑتا ہے آپ اپنے سوالات مناسب پیرایہ میں کیوں نہیں کرتے؟

میں :- آپ ہی فرمائیے کیا سوال کروں؟

وہ :- ابتداء مبداء سے کیجئے۔

میں :- مبداء کیسا اور کہاں؟

وہ :- (دھیمی آواز میں ایک خاص اتار چڑھاؤ کے ساتھ غایت عبودیت و تکریم کا اظہار کرتے

ہوئے) آپ بھی جانتے ہیں کہ مبداء خدا ہے۔

میں :- مگر خدا کیا ہے؟

وہ :- (چند لمحوں تک متذبذب رہ کر) میں نہیں بتا سکتا۔

میں :- کیا خدا روح تو نہیں؟

وہ :- جاگتے میں مجھے معلوم تھا کہ روح سے آپ کی کیا مراد ہے مگر اب تو اس کی حقیقت ایک

لفظ سے بڑھ کر نہیں۔ صداقت اور حسن بھی دو لفظ ہیں۔ اسی طرح روح بھی ایک لفظ ہے یوں سمجھئے

کہ یہ ایک صفت ہے۔

میں :- خدا غیر مادی تو نہیں۔؟

وہ - غیر مادیت کا کہیں کوئی وجود نہیں یہ بھی محض ایک لفظ ہے جو شے مادہ نہیں ہے وہ سراپا ہستی ہے یہ اور بات ہے کہ صفات کو اشیاء سمجھ لیا جائے۔

میں :- پھر کیا خدا کا وجود مادی ہے؟

وہ - نہیں۔

میں :- تو پھر وہ کیا ہے؟

وہ - (ایک دراز وقفہ کے بعد گنگناتے ہوئے) میں سمجھا مگر یہ بڑا ٹیڑھا سوال ہے جو اب دوں تو کن لفظوں میں (پھر دیر تک خاموش رہ کر) وہ روح نہیں کیونکہ وہ موجود ہے وہ مادہ بھی نہیں جن معنوں میں آپ اس لفظ کو مادہ کہتے ہیں البتہ مادہ کے متعدد مدارج ہیں جن کا حال انسان کو کچھ معلوم نہیں۔ ثقیل اور خفیف دو درجے ہیں ثقل خفت پر دباؤ ڈالتا ہے خفت ثقل میں سرایت کرتی ہے مثلاً کرہ جو ہر برق کو تحریک میں لاتا ہے اور جو ہر برق کرہ ہوا میں نفوذ کر جاتا ہے مادہ کے یہ مدارج لطافت یا نزاکت میں ترقی کرتے جاتے ہیں تا آن کہ مادہ کی حالت غیر ذراتی رہ جاتی ہے بہ الفاظ دیگر اس میں اجزائے ویمقراطیسی جن کا دوسرا نام اجزائے لائتھری ہے باقی نہیں رہتے اور وہ مرتبہ تو حید و تفرید تک پہنچ جاتا ہے یہاں پہنچ کر دباؤ اور نفاذ کا قانون بدل جاتا ہے۔ مادہ کی انتہائی یا غیر ذراتی حالت نہ صرف یہ کہ تمام اشیاء میں ساری ہو جاتی ہے بلکہ تمام موجودات کی وجہ تحریک بن جاتی ہے اس طور پر گویا کل کائنات اس کے اندر سما جاتی ہے یہی مادہ خدا ہے انسان جس شے کو عالم خیال کہتے ہیں وہ یہی مادہ ہے مگر بصورت متحرک۔

میں :- علمائے مابعد الطبیعہ کا دعویٰ ہے کہ ہر عمل تحریک اور تخیل میں تحویل ہو سکتا ہے اور تخیل ہی مبداء تحریک ہے۔؟

وہ - آپ کا خیال صحیح ہے۔ اس خلط بحث کا راز مجھ پر اب کھلا ہے۔ حرکت نفس ناطقہ کے عمل کا نام ہے تخیل کے عمل کا نتیجہ نہیں ہے۔ غیر ذراتی مادہ یا خدا ہی بحالت سکون جہاں تک کہ ہمارے تصور کو رسائی ہو سکتی ہے وہ حقیقت ہے جسے انسان نفس ناطقہ کہتے ہیں حرکت خود اختیاری کی استعداد جو دوسرے لفظوں میں گویا انسان کی قوت ارادی ہے غیر ذراتی مادہ کے اندر اس کی وحدۃ اور ہمہ گیر حلول کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہے اور اب مجھے صاف صاف نظر آرہا ہے کہ یہ بھید مجھ پر کبھی کھلنے نہ پائے گا لیکن اس قدر ضرور کہہ سکتا ہوں کہ غیر ذراتی مادہ ایک

ایسے قانون یا صنعت کی وجہ سے حرکت میں آنے کے بعد جو خود اس کے اندر موجود ہے تخیل بن جاتا ہے۔

میں :- آپ نے اپنی تقریر میں غیر ذراتی مادہ کا لفظ بار بار استعمال کیا ہے کیا آپ مجھے ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ بتا سکتے ہیں کہ اس لفظ سے آپ کی کیا مراد ہے؟

وہ۔ جن مادی اشیاء کا انسان کو ادراک ہوتا ہے۔ وہ مختلف مدارج میں تحویل ہونے کے بعد اس کی رسائی سے باہر نکل جاتی ہیں۔ مثلاً دھات کا ایک ٹکڑا ہے۔ لکڑی کا ایک کندہ ہے پانی کا ایک قطرہ ہے کرہ ہوا ہے غاز ہے برق ہے منور ایٹھ ہے اب ظاہر ہے کہ ان تمام اشیاء کو ہم مادہ ہی کہتے ہیں اور ان سب پر ایک عام تعریف صادق آتی ہے جو من حیث المجموع مادہ کا لقب عمومی ہے لیکن باایں ہمہ کوئی سے دو خیالات بھی ایک دوسرے سے اس درجہ متمایز و متفارق نہیں جیسے وہ خیالات جو ہمارے ذہن میں دھات کے ایک ٹکڑے اور منور ایٹھ کے تصور سے وابستہ ہیں جب ثانی الذکر تصور ہمارے پیش نظر ہوتا ہے۔ تو کوئی چیز ہے جو بے اختیار ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسے مادہ نہ سمجھیں بلکہ روح بلکہ نیستی کے زمرہ میں شامل کر دیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس کی وجہ صرف اسی قدر ہے کہ ہم ایٹھ کو اجزائے لائتھری سے کہ ان کا ایک سادہ تر نام سالمات بھی ہے مرکب سمجھتے ہیں اور ادراک کی اس منزل میں بھی ہمیں اپنے اس تصور سے مدد لینا پڑتی ہے جو ہم نے ایک ساملہ کے بارے میں قائم کر رکھا ہے کہ اس میں چھوٹے اور ٹھوس اور محسوس اور روزنی ہونے کی بے پایاں صفات جمع ہیں۔ ترکیب سالمی کے تصور کو اگر ہم فنا کر دیں تو پھر ہم ہرگز اس بات کو خیال میں نہ لاسکیں گے کہ ایٹھ کی بھی کوئی ہستی ہے یا کم از کم اس پر مادہ کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے اور جب اللہ کی تعریف کے لئے ہمارے پاس کوئی موزوں تر لفظ موجود نہیں ہے تو پھر کیوں نہ ہم اس کو روح ہی کہیں۔ اب خیال کا ایک اور قدم آگے بڑھائیے اور منور ایٹھ کے طبقہ سے گزر کر ایک ایسے مادہ کا تصور اپنے ذہن میں قائم کیجئے۔ جو ایٹھ (ایٹھ) سے بھی زیادہ لطیف ہے پھر باوجود فلسفیوں کی قیل و قال کے آپ ایک ایسے اچھوتے وجود سے دوچار ہوں گے جسے غیر سالمی مادہ کہا جاسکے گا اس لئے کہ خواہ ہم خود سالموں کے اندر غیر محدود چھوٹائی کا ہونا تسلیم کر ہی لیں لیکن سالموں کے اندرونی تخیل میں جو جو ہوں گے ان کی چھوٹائی کی بے پایاں ایک بالکل مہمل اور بے معنی سی بات ہے اگر سالمات کا شمار کافی ہو تو ایک نقطہ موہوم ایسا ضرور رہ جائے گا اور لطافت کا ایک درجہ یقیناً ایسا آجائے گا جہاں تخیل خل کے جوہ کا نابود ہو جانا اور تکاثف مطلق کا پیدا ہو جانا لازمی ہے لیکن

اب چونکہ ترکیب سالمی کا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ اس لئے مادہ کے وجود اس شے میں ہو جاتا ہے جسے ہم روح سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ روح بھی وہی مادہ ہے جس پر ہم بحث کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور سو بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ روح کا تصور خارج از امکان ہے اس لئے کہ جس چیز کا کوئی وجود ہی نہ ہو وہ ذہن میں کس طرح آسکتی ہے۔ جب ہم یہ کہہ کر اپنا دل خوش کر لیا کرتے ہیں کہ روح کا تصور ہم نے اپنے ذہن میں قائم کر لیا ہے تو ہم گویا اپنی عقل کو دھوکا دیتے ہیں ہمارے ذہن میں جس شے کا تصور آیا تھا وہ روح کا نہ تھا بلکہ بے انتہا لطیف مادہ کا تھا۔



حسین بن منصور حلاج کے نظریات کی تشریح اور دوسرے
اہم مقالات پر مشتمل ظفر علی خان کی اہم کتاب

حسین بن منصور حلاج

اور دوسرے اہم مقالات

ظفر علی خان